یعنی
نہایت ہی دلکش اور رقت انگیز بنگالی ناول اندومتی کا اردو ترجمہ
از
کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام
قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

پہلا باب

راستہ میں

شام کا وقت تھا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اور ہوا سن سن چل رہی تھی۔ ایسے میں کسے حوصلہ تھا۔ کہ وہ گھر سے باہر نکل کر کسی دشوار گذار راستہ کا سفر کرے۔ ہر چہار طرف جیسے قیامت بپا تھی۔ درختوں کی شاخیں گر رہی تھیں۔ اُن سے کڑا کڑ کی ہیبت ناک صدائیں آ رہی تھیں۔ بعض مکانات کی چھتیں زمین سے ہم آغوش ہو رہی تھیں۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ اور بادل رہ رہ کر گرجتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے بجلی بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ نہایت ہی خوفناک وقت تھا۔ پانی کے ساتھ ساتھ ہی پتھر بھی بکثرت پڑ رہے تھے۔ راستہ میں کوئی کہاں کھڑا ہو۔ کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔

ایسے وقت میں خرشید رنانہ راستے میں تھے۔ تن تنہا۔ پانی اور بادلوں کی تاب نہ لا کر وہ جلدی جلدی قدم بڑھانے لگے۔ مگر چلتے چلتے یکایک پاؤں پھسل گیا۔ سخت چوٹ آئی تاہم وہ نہ رکے۔ چلتے ہی گئے۔ اُن کی چادر پہلے تو ہوا سے لہرانے لگی۔ اس کے بعد اڑتے اڑتے وہ ایک درخت کی شاخ سے اٹک گئی۔ ایسا معلوم ہونے لگا۔ جیسے درخت سے

اپنے سر پر پگڑی باندھ لی۔ اس وقت وہ درخت دوسرے درختوں کے درمیان ذی حیثیت معلوم ہونے لگا۔ یکایک پانی کسیقدر تھما۔ بجلی کی چمک میں کمی واقع ہوئی۔ ہر چہار طرف اندھیرا چھا گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھائی دیتا تھا۔ نریندر ناتھ سوچنے لگے ایسے میں کہاں جائیں؟ ان کے دل پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اس خوفناک تاریکی میں انہیں آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا

تو وہ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگے دیکھا بہت دور پر چراغ جل رہا ہے۔ اس روشنی کو دیکھ کر نریندر ناتھ کے دل ہی دل میں کس قدر حوصلہ ہوا۔ سوچنے لگے ایسی بارش میں کیا میں کسی طرح وہاں پہنچ سکتا ہوں اگر پہنچ جاؤں۔ تو پناہ مل سکتی ہے۔ ایسے برے وقت میں بھی کیا مجھے کوئی پناہ نہ دیگا؟ جس کے جسم میں انسان کا گوشت پوست اور خون ہے۔ وہ ضرور مجھے جگہ دیگا۔ اسی بھروسہ پر وہ روشنی کی طرف چلے۔ رفتہ رفتہ وہ روشنی کے پاس پہنچے دیکھا بیچ میں گھر تھا ایک چراغ اپنی مدھم روشنی سے جھلملا رہا ہے۔ انہوں نے دروازہ میں دھکا مارا۔ مگر دروازہ نہ کھلا۔ دو چار بار کھٹکھٹانے پر کسی نے اندر سے آواز دی: "کون ہے؟"

نریندر ناتھ: "میں ایک گمراہ مسافر ہوں۔ کیا یہاں مجھے تھوڑی دیر کے لئے پناہ مل سکتی ہے؟"

گھر کے اندر سے آواز آئی: "آیئے"

یہ کہتے کہتے دروازہ کھل گیا۔ اس کے کھلتے ہی ہوا کے جھونکے سے چراغ بجھ گیا نریندر ناتھ مکان میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا۔ مکان دو منزلہ ہے۔ نریندر ناتھ جس منزل میں گئے تھے۔ وہ کمرہ نہایت صاف و ستھرا تھا۔ گرہستی کی چیزیں بکثرت نہیں تھیں۔ ایک بڑا سا ٹوکرہ رکھا ہوا تھا۔ اور اس میں چند سفری برتن تھے۔

اسی وقت ایک ضعیف نے نریندر ناتھ سے پوچھا: "آپ کا نام کیا ہے؟"

نریندر: "نریندر ناتھ"

وہ ضعیف شخص ان کا نام سنکر کسی قدر چونک اٹھا۔ اور نہایت ہی عاجزانہ انداز سے

نرنیدرناتھ کو نمسکار کیا۔ جس سے چٹائی پر وہ خود سو رہا تھا۔ وہ اُس نے اُٹھا کر نرنیدرناتھ کے بیٹھنے کے لئے بچھا دی۔ اس کے بعد چراغ جلانے کی فکر کرنے لگا۔ گر چراغ نہ جل سکا۔ کیونکہ گھر میں آگ نہیں تھی۔ نرنیدرناتھ نے پوچھا "یہ کسکا مکان ہے" بڈھا خاموش ہو گیا۔ نرنیدرناتھ کے اس سوال سے جیسے اُس کے دل میں خوفناک حالت طاری ہوئی — مگر خاموشی ہی میں کچھ مصلحت سمجھی۔ نرنیدرناتھ اس خاموشی کا مطلب سمجھ سکے۔ بولے۔ خاموش کیوں ہو گئے؟"

اُس وقت بوڑھے نے بیچین ہو کر بولنا شروع کیا۔ کہا:- "آپ اس گاؤں کے زمیندار کے لڑکے ہیں۔ اس لئے آپ سے کچھ پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں"

بڈھا نرنیدرناتھ کو پہچانتا تھا۔

نرنیدرناتھ بوڑھے کے منہ سے اپنا پتہ پاکر متحیر ہو کر بولے:- "تو تم کون ہو؟"

"میں اس مکان کا نوکر ہوں"

اب ضعیف کے مفصل حالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اُس کا نام تبانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سُنئے:- اُس کا نام رام بھدر تھا۔

نرنیدرناتھ نے کہا:- "تم یہاں کیا کرتے ہو؟"

رام بھدر نے ایک گہرا سانس لے کر کہا:- "لڑکیوں کی خدمت"

نرنیدرناتھ نے جھجکتے ہوئے کہا "کیا اُن کی نسبت میں کچھ جان سکتا ہوں؟"

رام بھدر نے کسی قدر بگڑ کر کہا:- اُس دردناک داستان کے تذکرہ کا اسوقت موقع نہیں" یہ کہہ کر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اُس وقت نرنیدرناتھ کے دل میں طرح طرح کے شکوک و خیالات پیدا ہوئے۔ بے تابانہ انداز سے بولے:- "اگر کوئی ہرج نہ ہو تو ضرور تمام حالات مفصل طور پر بیان کرو"

نرنیدرناتھ کو یقین آگیا۔ کہ یہ نہایت ہی غریب شخص ہے۔ انہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔ جہاںتک ہو سکیگا۔ میں اس کی مدد کروں گا۔ اگر یہ سماج سے خارج شدہ شخص ہے۔ تو اسے سماج میں ملا لوں گا۔ اور رہنے کے لئے مکان دونگا۔

رام بھدر نے نریندر ناتھ کی بات سُنکر تمام حالات مفصل طور پر سُنانے کا ارادہ کیا مگر اس قدر درخواست کی کہ آپ پھر کسی روز تشریف لائیے گا۔ میں تمام حالات آپ سے عرض کروں گا۔

نریندر ناتھ نے دیکھا رام بھدر آج کسی طرح کچھ کہنے کو تیار نہیں۔ اس لئے انہوں نے دوسرے دن آنے کا ارادہ کیا۔ اور اُٹھ کر چل دئیے۔

رام بھدر نے نریندر ناتھ کو اُٹھتے دیکھ کر عاجزانہ انداز سے کہا۔ کسی دن ضرور آئیے گا۔"

نریندر:۔ "بہت اچھا"

رام:۔ "غریب کی عرض نہ بھولئے گا!

نریندر:۔ "نہیں ضرور آؤں گا"

باتوں باتوں میں بہت سا وقت گذر گیا۔ اُسوقت بارش بند ہو چکی تھی۔ مطلع صاف ہو چکا تھا۔ اور چاند نے صفحہ عالم پر اپنی جلوہ ریز شعاعوں کی چادر بچھا دی تھی۔ رفتہ رفتہ تارے جلوہ گر ہونے لگے۔ نریندر ناتھ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

دوسرا باب

صبح شیل بالا نے آکر رام بھدر سے پوچھا۔ "رام بھدر! کل رات کو کون آیا تھا؟"

رام بھدر شیل بالا کی بات سُنکر چونک اُٹھا اور اصل حالات چھپا کر بولا:۔ "کوئی تو نہیں آیا تھا"

"چھی! تمہارے تین پن گئے۔ چوتھا آیا۔ موت قریب ہے۔ اسوقت بھی جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا۔ دھکار ہے تمہاری زندگی کو" شیل بالا گذشتہ رات کی تمام باتوں سے آگاہ تھی رام بھدر کو یہ بات نہیں معلوم تھی۔ اس لئے اس نے کہا:۔ "جھوٹ کیوں بولوں گا"

شیل بالا نے لال لال آنکھیں نکال کر کہا:۔ "پھر وہی بات!

اگرچہ رام بھدر کی عمر ساٹھ ستر برس کے قریب تھی۔ مگر چہرہ سے ضعیفی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے بلکہ پیشانی پر جلال نمایاں تھا۔ انہیں دیکھ کر کوئی ان کے عمر کا

اندازہ نہیں لگ سکتا تھا۔ ابتک بھی وہ پانچ چھ کوس چل سکتے تھے۔ اتنی عمر ہوگئی تھی۔ مگر پھر بھی وہ بیٹھے نہیں رہتے تھے رام بھدر کو اپنی جان بہت پیاری تھی۔ کوئی راہ گیر کہیں لاٹھی مار کر سب کچھ چھین نہ لیجائے۔ اس خوف سے وہ کہیں نہیں بیٹھتے تھے۔ رات کو رام بھدر بے آرام میں سویا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ شیل بالا اُسے کھلا پلا رہی ہے کبھی دیکھا کہ شیل بالا اُس کے ساتھ کتنی ہی ہنسی۔ دل لگی اور چہل مذاق کی باتیں کر رہی ہے۔ اور وہ خود بھی اُس کے ساتھ ساتھ ہنس رہا ہے۔ ہنستے ہنستے اُس کا پیٹ پھٹ گیا۔ شیل بالا تالیاں بجا بجا کر اس کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔ اسی طرح رام بھدر تمام رات خواب دیکھتا رہا۔

رام بھدر میں ایک اور عیب تھا۔ اور وہ یہ کہ وہ رات کو دس پندرہ چلم حقّہ پیا کرتا تھا حقّہ بھرتے وقت وہ شیل بالا کو آواز دیکر پوچھتا کہ تو سوئی یا نہیں۔ صبح کا تارا نکل آیا۔ تماکو کہاں ہے۔ کوئلے کہاں رکھ دیئے اور چلم معلوم نہیں کہاں ہے۔ ملتی نہیں۔ اس طرح کی بہت سی باتیں کر کے وہ پھر لیٹ رہتا تھا۔ شیل بالا بھی رام بھدر کی ان باتوں سے جاگ اٹھتی تھی۔ اور دو ایک باتوں کا جواب دیکر سو رہتی تھی۔ اور جس دن شیل بالا سوتی رہتی تھی۔ یا جاگتے ہوئے بھی کوئی جواب نہیں دیتی تھی۔ اُس دن رام بھدر حقّہ پیا کرتا تھا نہ سوتے سویرا کر دیتا تھا۔ حقّہ کی آواز جو زور سے گڑگڑ کرتی تھی شیل بالا اس سے چونک کر چپ چاپ منہ لپیٹے پڑی رہتی تھی۔ اور رام بھدر کی حرکات و سکنات کا تماشا دیکھ کر خود بخود ہنستی رہتی تھی۔

جو ہو۔ ان سب باتوں کے مزید تذکرہ کی ضرورت نہیں رام بھدر شیل بالا اس سے بہت ناراض ہے۔ آج کسی طرح کھانا نہیں دیگی ہنسی دل لگی کا موقع نہیں دیگی اچھی طرح بات بھی نہیں کرے گی۔ یہ سب سوچ کر وہ اُداس ہو جاتا تھا۔ شیل بالا نے پھر کہا "رام بھدر! بتا کون آیا تھا" یہ کہہ کر وہ کسی قدر مسکرا اٹھی۔

رام بھدر شیل بالا کی مسکراہٹ دیکھ کر ریشہ خطمی ہو گیا۔ دل ہی دل میں سوچا۔ مان اُتر گیا۔ بولنا۔ کوئی تو نہیں آیا تھا۔ تمہارے پیٹ میں جیسے ہمیشہ قلاباتیاں ہی کیا

کرتے ہیں۔

شیل بالا نے جھنجلا کر کہا:۔ تم مجھے دودھ پیتی بچّی ہی سمجھتے ہو۔

رام بھدر نے دل ہی دل میں کہا:۔ اگر تو ایسی ہوتی تو ہی بہتر تھا۔ بظاہر بولا:۔ زمیندار کا لڑکا۔

شیل بالا:۔ کہاں کے زمیندار کا لڑکا؟

رام بھدر:۔ اسی گاؤں کے۔

شیل بالا:۔ کیوں آئے تھے؟

رام بھدر:۔ رات کو زبردست بارش ہوئی تھی نہ۔

شیل بالا:۔ ہاں۔ مگر کیوں؟

رام بھدر:۔ اس بارش میں کوئی ٹھکانا نہ پاکر یہاں آئے تھے۔

شیل بالا:۔ بہت اچھا۔ مگر پھر ایک دن آنے کے لئے کیوں کہہ گئے ہیں؟

رام بھدر نے نریندر ناتھ سے ایک دن پھر آنے کی درخواست کی تھی۔ شیل بالا نے یہ بھی سن لیا تھا۔ مگر رام بھدر کو یہ نہیں معلوم ہوا تھا۔ اسی وجہ سے شیل بالا کی بات سُنکر دل ہی دل میں سوچنے لگا:۔ شیل بالا سے بغیر صاف صاف کہے ہوئے کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ ہائے! شیل بڑی دُشٹ ہے۔ آج سے اب گھر میں کوئی بات چیت نہیں کرونگا۔ یہ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ شیل بالا رام بھدر کو خاموش دیکھ کر بولی:۔ بول کیوں آنے کو کہہ گئے ہیں۔

رام بھدر نے دل ہی دل میں مستحکم ارادہ کر لیا تھا۔ کہ خواہ کچھ ہی ہو شیل بالا سے یہ بات نہیں بتاؤں گا۔ مگر اس کی حالت دیکھ کر نہ رہ گیا۔ بولا:۔ ضروری کام ہے۔

شیل بالا نے پھر سوال کیا۔ کیا کام ہے؟

رام بھدر نے غصّہ میں آکر کہا:۔ تمام باتیں تمہیں بتا دوں؟

شیل بالا بھی غصّہ میں آکر بولی — سو دفعہ کہنا پڑیگا۔ ہزار دفعہ کہنا پڑیگا۔

رام بھدر:۔ جاؤ۔ میں نہیں بتاؤں گا۔

شیل بالا نے منھ ٹیڑھا کر کے کہا:- اچھا دیکھوں گی۔ آج تم کیا کھاتے ہو۔ میں جاتی ہوں۔ شیل بالا نے چلے جانے کی دھمکی دی۔

رام بھدر نے ڈر کر جلدی سے شیل بالا کا ہات پکڑ لیا۔ مگر شیل بالا نے جھٹکا دیکر کہا:- ہات چھوڑ دو میں تمہاری بات نہیں سنونگی۔

رام بھدر نے دُکھی ہو کر کہا:- چھی! شیل اغصّہ کیوں کرتی ہے۔ تم سے نہ کہوں گا تو کس سے کہوں گا؟ تمہارے ساتھ ذرا مذاق کر رہا تھا- اور کوئی بات نہیں۔

شیل بالا نے سوچا۔ رام بھدر ڈر گیا ہے- اب تمام باتیں بتا دیگا۔ بولی:- اچھا! اب بتاؤ:

اسوقت رام بھدر نے شیل بالا سے آہستہ آہستہ کیا کہا معلوم نہیں۔ شیل بالا ہنستے ہنستے چلی گئی۔ رام بھدر بھی حقہ چلم لے کر تمبا کو جلانے کے لئے بیٹھ گیا۔ بار بار حقہ پینا رام بھدر کے لئے بہت ضروری تھا۔

تیسرا باب۳

دوسری بار

نریندر ناتھ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے چونکہ رام بھدر سے وعدہ کر گئے تھے- اس لئے وہ آئے رام بھدر نریندر کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ مسرت آمیز لہجہ میں بولا:-

"آ گئے! اچھا ہُوا! مفلس کی بات یاد ہے؟ یہی سب کچھ ہے!"

نریندر ناتھ نے ذرا مسکرا کر کہا:- دُنیا میں سبھی مفلس ہیں۔

کج فہم رام بھدر نے نریندر ناتھ کی بات سُنکر دانتوں تلے اپنی زبان دبائی۔ چھی! کوئی ایسی بات بھی کرتا ہے- آپ لوگ بڑے آدمی ہوں گے۔

نریندر:- تم نے میری بات نہیں سمجھی- دُنیا میں جسے جس چیز کی کمی ہے وُہی مفلس ہے- بڑے آدمیوں میں بھی مفلسی ہے۔

رام بھدر اس مرتبہ بھی نریندر ناتھ کی بات اچھی طرح نہ سمجھ سکا بولا:- کیوں- یہ کیا؟ بڑے آدمیوں کو کس بات کی کمی ہے؟

نریندر ناتھ نے ہنس کر کہا۔ بڑے آدمیوں کو کمی نہیں؟ جس کے پاس دولت کا بھکاری ہے۔ جس کے دل میں ہمیشہ بے اطمینانی کی آگ مشتعل رہتی ہے۔ وہ اطمینان کا بھکاری ہے اور جس کے دل میں پریم بھگتی۔ محبت۔ دیا۔ اور پیار وغیرہ نہیں ہیں۔ وہ بالکل کنگال ہے بڑے آدمیوں کے پاس کیا سب کچھ ہے؟ دُنیا مفلس ہے۔

رام بھدر کے دل میں اُمید کی تجلی دکھائی دی۔ بولا:۔ آپ کس کے بھکاری ہیں؟

نریندر ناتھ خاموش ہوگئے۔

رام بھدر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ کہ کس طرح اندومتی کا ذکر چھیڑوں۔ اس کی موٹی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ وہ دل ہی دل میں خیالات کے ادھیڑ بُن میں پڑ گیا۔ کسی لامعلوم طاقت نے پریچ خیالات کا تار و پود مہیا کر دیا۔ نریندر ناتھ بات کا جواب دینگے یا نہیں اپنی خیالات میں غلطاں پیچاں تھا۔ جھجکتے جھجکتے بولا:۔ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔

نریندر ناتھ نے ذرا مسکرا کر کہا:۔ کیوں؟

رام بھدر۔ یہ مسکراہٹ دیکھ کر جھجکتے ہوئے بولا:۔ اتنی دور تکلیف اُٹھا کر آئے ہیں۔

نریندر:۔ معمولی بات ہے۔ تم نے بلایا تھا آ گیا۔

یہ بات سُنکر جیسے رام بھدر کے ہات میں ہفت اقلیم کی سلطنت آ گئی اندومتی کا تذکرہ کرنے کے لئے کسی طرح اس کی ہمت نے تقاضا نہ کیا۔ بولا:۔ وہ تمام باتیں یہاں نہیں کہہ سکوں گا۔ چلو کسی تنہا مقام پر چلیں۔ شاید اُسے شیل بالا کا خوف تھا۔

نریندر ناتھ:۔ چلو۔

مکان کے صدر دروازہ کے سامنے ایک مولسری کا درخت تھا۔ دونوں وہاں ہی آ کر بیٹھ گئے۔ اس درخت کی شاخیں نہایت ہی خوبصورتی سے ہر چہار طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ شاخ شاخ میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ بھونرے بیتابانہ انداز سے رس چوسنے کی لالچ سے پھولوں پر بیٹھتے تھے۔ اور اُڑتے تھے۔ رس چوس چوس کر پھر اُڑ جاتے تھے مولسری کے پکے ہوئے پھل کھانے کے لئے دو کوئلیں ادھر اُدھر اڑ رہی تھیں۔ اور رہ رہ کر کوکتی تھیں۔ رام بھدر کوئلوں کی آواز سُن کر ناراض ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس

درخت کے نیچے اندومتی کے متعلق بات چیت کرنے آیا تھا۔ کس طرح شروع کرے وہ اسی پیچ و تاب میں تھا۔ ادھر کوئلوں کی بے محل کوک اور بھی حارج ہو رہی تھی۔ زبان جیسے منہ سے نکلی پڑتی تھی یکایک نریندر ناتھ کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ مہاراج! میری ایک بات مانو گے؟

نریندر ناتھ نے چونک کر کہا:۔ کہو بات کیا ہے؟

رام بہادر کا جسم کانپ رہا تھا۔ بولا۔ جو بات ہو۔ مانو گے؟ کوئی بری بات نہیں۔

نریندر ناتھ اور بھی متحیر ہوئے۔ بولے:۔ جہانتک ہو سکا مانوں گا۔

رام بہادر:۔ کہتے خوف معلوم ہوتا ہے۔

نریندر ناتھ مسکرائے بولے:۔ خوف کی کیا بات ہے۔ کہو۔

اسوقت رام بہادر کو حوصلہ ہوا نریندر ناتھ کے مکان میں اُس نے بہت سی باتیں کہیں نریندر ناتھ نے نہایت غور سے سب باتیں سُنیں۔ اور مستقل لہجہ میں بولے:۔ مجھے کوئی عذر نہیں۔ بابا (باپ سے مراد) جو مناسب سمجھینگے کرینگے۔

رام بہادر:۔ میں یہ تمام باتیں ٹھیک کروں گا۔

نریندر:۔ بہت اچھا۔

یہ کہہ کر نریندر ناتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مولسری کی شاخ پر بیٹھی ہوئی دونو کوئلیں آپسکی کلولیں ختم کر کے اُڑ گئیں۔

صرف رام بہادر وہاں بیٹھا بیٹھا نہ معلوم کیا سوچ رہا۔

چوتھا باب

نریندر کون ہے؟

اننت پور نامی گاؤں کے زمیندار شمبھو ناتھ رائے تھے۔ رائے مہاشے نہایت ذی حیثیت اور معتقد شخص تھے۔ گاؤں سے باہر کچھ دور بھی ان کی جائداد تھی۔ اُن کی زمینداری کی آمدنی تقریباً دو لاکھ سالانہ کی تھی۔ اور تجارت وغیرہ سے بھی سال میں دو لاکھ کے قریب مل جاتے جسے چار لاکھ سالانہ کی آمدنی ہو۔ کہتے ہیں اسپر لکشمی کی پوری پوری نظر ہوتی ہے۔ لکشمی دیوی رائے

مہاشے کے خزانہ میں براجمان رہتی تھیں زمیندار بابو کی بیوی نہایت ہی حسین اور لکشمی سروپ تھیں۔ رائے مہاشے اُن سے بہت خوش رہتے تھے۔ بڑے لوگوں کے مکانات جیسے ہوتے ہیں۔ رائے مہاشے کا بھی ویسا ہی تھا۔ بلکہ بعض بعض حصّہ تو نہایت ہی عجیب وغریب اور خوبصورت تھا۔

رائے مہاشے کے مکان میں پانچ حصّے تھے۔ پہلے حصّہ میں بہت بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں اُس میں سکول شفاخانہ۔ رنگ محل۔ اور نوکروں کے رہنے کے لئے مکانات تھے۔ ایک نہایت ہی خوبصورت تالاب بھی تھا۔ اور شمالی حصّہ میں ایک خوشنما باغیچہ تھا جنوب کی طرف راستہ تھا۔ صدر راستہ کی جانب بازار تھا۔ اور وہاں سے ندی بہتی تھی۔
دوسرے حصّہ میں طرح طرح کے خوبصورت بُت۔ بتر۔ سنگتراشوں نے صنعتگری کا کمال دکھایا تھا۔ اس سے ملی ہوئی نشست تھی۔ جو عُمدہ ترین فرش اور نہایت ہی دلکش سامان وتصویرات سے مرصّع تھی۔ تیسرے حصّہ میں درگا کی مورتی تھی۔ اسی حصّہ میں مہمان خانہ بھی تھا۔ سیر وتفریح ہنسی مذاق۔ چہل دلگی کے لئے اسی کے پاس ہی ایک خوبصورت مکان تھا۔ اس کے بعد پھر زنان خانہ کی عمارت تھی۔ یہ دو منزلہ تھی۔ ایک منزل میں رائے مہاشے خود رہتے تھے اور دوسرے میں ترنیدرناتھ۔

رائے مہاشے سونے کی غرض سے آئے تھے۔ دیکھا۔ بیوی۔ خوابگاہ میں نہیں ہیں۔ اس سوچ سے اُن کی طبیعت نہیں لگی۔ دام بلا میں گرفتار پرند کی طرح وہ پھڑپھڑانے لگے۔ رائے مہاشے کو بہت ناگوار خاطر ہوا۔ کسی قدر غصّہ بھی آیا۔ وہ لیٹے نہیں۔ بلکہ بیٹھے ہی رہے۔ کچھ دیر بعد بیوی صاحبہ آئیں۔ آتے ہی انہوں نے رائے مہاشے کے مزاج کی حالت کا اندازہ لگا لیا۔ رنگ بدلنے اور اُن کا غصّہ دور کرنے کے لئے ہنستے ہنستے بولیں۔ درخت کے پتّے طوفان آنے پر بھی نہیں گرتے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ مگر ہوا کا جھونکا انہیں دم کے دم میں گرا دیتا ہے۔ رائے مہاشے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور خاموش بیٹھے رہے۔
بیوی نے جب کوئی جواب نہ پایا۔ تو خود ہی بولیں۔ ایسی زبردست بارش! ایسی حالت میں یہاں نہیں ٹھہر سکوں گی۔ چلو کوئی اور گھر دیکھیں ——

یہ کہہ کر انہوں نے جانے کے لئے قدم بڑھایا۔ اور دو چار قدم چلیں۔

رائے مہاشے اسوقت سخت کشمکش کی حالت میں تھے۔ بیوی کے چلے جانے سے اور بھی طبیعت گھبرائے گی بیچینی بڑھ جائیگی۔ اسی وجہ سے انہیں جاتے دیکھ کر مجبوراً ایمان توڑنا پڑا۔ بولے اب جانے کی ضرورت نہیں۔ میں ہی ہار مان لیتا ہوں۔

رائے مہاشے نے اپنا مان آپ ہی توڑ دیا۔ بیوی کی چالاکیاں سمجھ میں نہ آئیں۔

اسوقت بیوی آکر شوہر کے پاس بیٹھ گئی۔ اور پان کھاتے کھاتے نریندر ناتھ کی شادی کا ذکر چھیڑا۔ نریندر ناتھ رائے مہاشے کے اکلوتے بیٹے تھے۔ نریندر ناتھ کو ناظرین پہچانتے ہی ہیں۔ کچھ اور کہنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ سسرال اچھی ہونی چاہئے۔ تاکہ نریندر وہاں دو چار دن ٹھہریں تو تکلیف نہ ہو۔ بہو حسین ہو۔ بیوی نے اپنی آنکھوں اور ناک کیطرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ آنکھیں ہوں۔ رائے مہاشے کی بیوی کا روپ چھپا کلی کی طرح تھا۔ جسم کی ساخت نہایت سڈول اور دلکش تھی۔ اگر کوئی نقص تھا۔ تو صرف یہ کہ ناک اچھی نہیں تھی۔ اور آنکھیں ذرا چھوٹی چھوٹی تھیں۔ مگر رائے مہاشے اسی پر لٹو تھے۔ بیوی بھی اپنی آنکھوں کو خوبصورت سمجھ کر تعریف کرتی تھیں۔ رائے مہاشے نے سچ سے چشم پوشی نہیں کی۔ بلکہ کسی قدر بڑھا کر کہا۔ تمہاری جیسی چپٹی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والی بہو اگر آئی تو لڑکا بھی ہر وقت میری طرح گرفتار رہیگا۔ یہ مجھ سے بھی نہ ہوگا۔

شوہر کی بات سنکر بیوی کا منہ پھپھے کی طرح پھول گیا۔ تنتنا کر بولیں "اتنا مذاق کیوں؟ اگر میری آنکھیں اور ناک ناپسند تھیں تو شادی ہی کیوں کی؟ دیکھوں گی نہ۔ کہ مجھ سے اچھی بہو کیسے پا جاتے ہو؟ میں ابھی کہیں مری نہیں جاتی۔ یہیں بیٹھے بیٹھے سب دیکھوں گی۔

رائے مہاشے نے ہنستے ہنستے کہا:۔ تم ناراض ہو یا خوش ہو۔ اگر تم سے اچھی بہو ملیگی تو میں نریندر کی شادی بھی کرونگا۔"

بیوی نے متکبرانہ انداز سے کہا:۔ دیکھی تیری کالی۔ اور باون پیڑ سے اچھا ہے"

رائے مہاشے بیوی کی طعن آمیز مسل سنکر دل ہی دل میں ہنسکر بولے۔ تم یقین مانو تم سے کہیں خوبصورت بہو لاؤنگا۔

بیوی کا غصہ کسی قدر کم ہوا۔ بولیں بہت اچھا۔

رائے مہاشے:۔ تم سے بہو کا رنگ بھی اچھا ہوگا۔

بیوی:۔ کیا میرا رنگ خراب ہے؟

رائے مہاشے:۔ ہاں! رنگ تو شاید تم سے اچھا نہ ہو۔ خیر! جو نریندر ناتھ کی قسمت میں ہوگا۔ بیوی کسی قدر خوش ہو کر بولیں۔ دیکھوں کیسی بہو آتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ کھانے پینے کا سامان لانے کے لئے چلی گئیں۔

پانچواں باب

دریا کے کنارے!

تختۂ آسمان پر آہستہ آہستہ قدم جماتا ہوا چاند جلوہ افروز ہوا۔ طائران خوشنوا کی نغمہ سرائیوں سے تمام کائنات پر ایک ولولہ انگیز مسرت چھا گئی تھی۔ اُن کی شیریں نوایاں فضائے آسمان کو چیرتی ہوئیں گنبد گردوں تک جا پہنچیں جو سمجھنے والے کے دل میں مسرتوں کا ایک ہجوم تھا۔ رنگ رسیا فرط خوشی سے ملار گاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ شہنائیوں کی دلکش سُریلی آوازوں سے تمام مکان گونج رہا تھا۔ اور ایک ایک کمرہ فرش فروش سے آراستہ تھا۔ بابو لوگ پھولوں کا گلدستہ رنگین ہاتھوں میں لئے ہوئے فرش مخمل پر عجیب انداز سے بیٹھے ہوئے تھے۔ خوشنما بیلیں پتوں میں اپنا جسم چھپائے جھوم رہی تھیں۔ وہ ایک بیلیں فرط شوخی سے اپنے پھلوں کا عکس ندی کے صاف شفاف پانی میں منعکس کر کے ایک عجیب پرلطف سماں پیدا کر رہی تھیں۔ گیلری میں بکثرت عورتوں کی تعداد آپس میں چہل پہل میں مصروف نظر آ رہی تھی۔ اُن کی متفقہ سُریلی آواز تھیٹر کے نغموں کو مات کر رہی تھی۔ بلبل انبساط سے جھومتی ہوئی کبھی اس درخت پر بیٹھتی تھی۔ اور کبھی دوسرے درخت کی شاخ پر اپنی مسرت کے اظہار میں اُس نے تختۂ چمن کو نہایت ہی بارونق بنا دیا تھا۔

"اب دیر نہ کرو بہت وقت گذر گیا۔ لگن کا وقت گذرتا جا رہا ہے۔ شادی کا باجا بجانا شروع کرو" تمام محفل میں کھلبلی مچ گئی۔ باجے والوں نے باجے بجانے شروع کئے۔

"چپ! چپ! اب تماشہ شروع ہونے والا ہے" یہ کہتی ہوئی عورتیں سیلاب کی طرح امنڈ آئیں۔ شعرا تو توسن خیال پر سوار ہو کر ادھر ادھر خیالی گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ رہ رہ کر خیالی [illegible]

گھوڑے کی لگام چھوڑ دیتے تھے۔ اے شعرائے شیریں مقال! بھاگو۔ بھاگو۔ آسمان تمہارے ساتھ جنگ آزما ہونے کے لئے دھاوا مارتا ہوا آ رہا ہے۔ سنو۔ اس کی آواز سنو۔ بھاگو۔ جلد بھاگو۔ شعرا نے گھوڑے کی باگ موڑ دی۔ بجلی چمکنے لگی بادل گرجنے لگے۔ تمام راگ رنگ بند ہو گئے۔ بابو لوگوں کا مجمع منتشر ہو گیا۔ عورتیں آڑ میں چھپ گئیں۔ آسمان کے بادل آسمان ہی میں ل گئے۔ بادل دو چار بار گرج کر شکست کھائی ہوئی فوج کی طرح نہ معلوم کہاں اُڑ گئے۔ آنکھوں کے آنسو آنکھوں ہی میں خشک ہو گئے۔ زمین کا سینہ سیراب نہ ہوا۔ صرف دھان کے کھیتوں کی بالیاں لہرانے لگیں۔ کسانوں کے دل مایوس ہو گئے۔

اس زبردست کشمکش کے بعد رفتہ رفتہ آسمان پر ستاروں کے چراغ روشن ہوئے رات تقریباً دو گھنٹے گذر گئی تھی۔ بیساکھ کی پُر فضا رات تھی۔ نہایت ہی دلکش اور پُر لطف ایک طرف ترشح ہو رہا تھا۔ اور دوسری جانب چاند نے اپنی نورانی کرنوں سے صفحۂ قدرت پر ایک صاف شفاف چادر بچھا دی تھی۔ یہ متضاد نظارہ کیسا دلفریب اور دلربا تھا۔ اچھیامتی ندی کے دونوں کنارے نیلگوں بادلوں کا ہجوم تھا۔ جا بجا خوشنما بیلیں پانی کی طرف جھکی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ کہیں کہیں دو چار خاردار جھاڑیاں تھیں۔ بڑے درختوں کی شاخیں اچھیامتی ندی کے قدم چومنے میں سرگرمی دکھا رہی تھیں۔ کشتی کے پودوں کی قطار پانی میں ڈوبی ہوئی چاند کی کرنوں کا امرت رس پی رہی تھیں۔ کہیں کہیں گاؤں کے لوگ مٹی ہٹا کر گھاٹ بنا دیئے تھے۔ اسی گھاٹ سے تھوڑی دور پر ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ اس مکان کے مالک شری رام بھدر تھے۔ رام بھدر اسی گھاٹ پر آ کر بلا ناغہ نہاتے تھے۔ رام بھدر کی پلی ہوئی دو لڑکیاں اس وقت شباب کی منزل میں قدم رکھ چکی تھیں۔ ان سے ناظرین کا تعارف کرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں کے نام شیل بالا اور اندومتی تھے۔ دونوں کی پرورش ساتھ ساتھ ہوئی تھی۔ شیل بالا اندومتی کو ساتھ لے کر روز شام کو نہانے دھونے آتی تھی۔ آندھی پانی کی وجہ سے اس دن نہیں آئی تھی۔

اس وقت آندھی پانی کا نام نہیں تھا۔ شیل بالا اندومتی کے ساتھ ساتھ ایک گیت گاتے گاتے ندی کی طرف چلنے لگی شیل بالا کو گانے سے از حد شوق تھا۔ اس نے ایک بلی پال رکھی تھی کبھی کبھی اسی کے متعلق خود ہی الفاظ جوڑ کر گاتی تھی۔ کبھی رام بھدر کا مضحکہ اڑانے کے لئے ادھر ادھر کی کڑیاں جوڑ کر اُسے چڑھاتی تھی۔

ادھر نریندر ناتھ مولسری کے نیچے رام بھدر کے ساتھ باتیں کر کے مایوسانہ انداز سے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے یکایک اُن کے کانوں میں ایک سریلی آواز پہنچی۔ نریندر ناتھ جیسے اسوقت شراب کے نشہ میں چور ہو گئے۔ گانا سننے کے لئے ٹھہر گئے۔ اُس دلکش گیت نے اُن کے رگ و پے میں آرزوں کا ایک طوفان بپا کر دیا۔ اُن کے قدم وہاں ہی جم گئے۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور اس سناٹے میں یہ دلدوز تانیں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے رات کے سناٹے میں نغمۂ عندلیب! ان کے دل میں رہ رہ کر جیسے چٹکیاں لینے لگا۔

تم بن کون لگاوے پار!

موہ سندھو اتی اگم بہت ہے ممتا کی پروائی۔

لوبھ کا لنگر بیچ نہ ہٹائے بھول گئی ساری چترائی۔

شیل بالا نے یہ گیت ایک ویشنوی عورت سے سیکھا تھا۔ نریندر ناتھ اور بےچین ہونے لگے اس نغمۂ لطیف کے ایک ایک لفظ نے اُن کے دل میں ایک روحانی سرور کی دھوم مچا دی سامنے دیکھا۔ دو نازک خرام نوعمر لڑکیاں گویا آسمان سے اُتر آئی ہیں۔ اس گیت کے عکس سے دریا کا پانی بموج میں آ رہا تھا۔ چاند کی صاف شفاف کرنیں پانی میں مسکراتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ تمام [illegible] آسمان غرض سب کچھ اُس گیت میں ڈوب گیا تھا۔ نریندر ناتھ یکایک چونکے شیل بالا نے اندومتی سے کہا۔ سکھی! رات ہو گئی۔ چل گھر چلیں!"

نریندر ناتھ نے متحیر ہو کر دیکھا۔ دونوں نازنین پانی میں پاؤں لٹکائے اور کالے کالے بال کھولے ہوئے بیٹھی ہوئی ہیں۔ نریندر ناتھ نے سوچا۔ یہ مانوی ہیں۔ یا جل دیوی اپسرات ہیں کیا اس قدر حسن۔ ملاحت ولطافت ہوتی ہے۔؟ ایسی دلربا اور مست کن نگاہیں۔ اتنا پاکیزہ اور لطیف چہرہ پھول کی طرح نازک وگداز جسم۔ یقیناً یہ جل دیوی ہیں۔ ایسے

مگراں بہار رتن کہاں نظر آتے ہیں ؟ رتن سمندر میں کہاں سے آیا ؟
نربیدر ناتھ اسی [illegible] میں تھے ۔ اتنے میں شیل بالا و اندومتی رفتہ رفتہ پانی سے نکل کر گھر کی طرف چلیں ۔ اسوقت نربیدر ناتھ کے خواب [illegible] جاتا رہا ۔ ناامیدی کے خوف سے ان کا دل کانپنے لگا ۔ مایوسانہ نگاہوں سے وہ دونوں کی طرف تاکنے لگے ۔ چلتے چلتے شیل بالا نے اندومتی سے کہا " سکھی معلوم ہوتا ہے ۔ اب بہت دنوں تک اس طرح ندی میں نہانے دھونے رنگ رلیاں مچانے کا موقع نہیں ملیگا ۔

اندو :۔ کیوں سکھی ؟

شیل بالا :۔ پانی میں گھڑیال آگیا ہے

اندو :۔ سکھی یہ کیا بات ؟

شیل بالا نے دور سے نربیدر ناتھ کو دیکھ لیا تھا ۔ یہ بات اندومتی سے پوشیدہ رکھ کر ہنستی ہوئی گانے لگی ۔

کاہے جھلک دکھلا یو رے موہن

پریم کا بان چلا کر پریتم — ہر لینا مورا تن من

کاہے جھلک دکھلایو رے موہنا

گاتے گاتے دونوں چلی گئیں

اندومتی نے پھر رقت درد کے لہجہ میں گانا شروع کیا :۔

کلی کلی رس لیجے بھونرا اڑ اڑ پھول پہ آئے
دادر مور پپیہا ناچے جیا دکھ للچائے
ترپ ری برسوں سے پیاری آج ہوں پیا نہ آئے
دھیرج سکھی بدھاروں سکھی برہا جور جنائے
ہائے سکھی کیسے من ماروں جیا بہت گھبرائے
آئے ملیں جلدی من موہن تن بن رہا نہ جائے

چھٹا باب

تعلق

ان واقعات کے بعد نریندر ناتھ کو اندو مکھی کے گھر جانے کی زبردست خواہش ہوئی۔ اُنکے دل میں رفتہ رفتہ اُس کی محبت کے خیالات نے بھی اپنا گھر بنایا۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے وہ اندو مکھی کے متعلق بہت کچھ سوچتے رہے۔ رہ رہ کر خیال آتا تھا کاش! اندو مکھی جیسا گرانبہا رتن اگر ہات آئے تو کسقدر سُکھی ہوں۔ کتنی بار دیکھ چُکا ہوں۔ اور اب بھی دیکھتا رہا۔ پھر بھی بار بار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ کیوں ایسی خواہش ہوتی ہے۔ نہیں کہہ سکتا۔ اس دُنیا میں کتنی ہی خوبصورت اور ماہرو نازنین دیکھیں ــــ مگر سب بھول گئیں۔ کسی کو دیکھ کر دل میں آرزوں اور امنگوں کا طوفان نہیں آیا تھا۔ مگر اسے دیکھ کر دل میں کیوں مد وجزر کا عالم برپا ہو گیا ہے۔ ہائے اُس دلفریب ہنسی نے کیوں ایک حشر بپا کر دیا۔ جسوقت اُس ہنسی کا خیال آتا ہے۔ دل میں ایک عجیب وغریب جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہی ہنسی جس میں موسم بسنت کے نوشگفتہ پھولوں کی شگفتگی کا نظارہ تھا اُس کا تصور کرتے ہی دل میں ایک گدگدی سی ہونے لگتی ہے۔ اندو مکھی کے اُس دلفریب چہرہ کی یاد آتے ہی دل کے [illegible] میں ہوا کی سرسراہٹ کیسا انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ وہ جنگلی پھول ہے۔ اپنا گلا اس سے کیونکر مزین کر سکوں گا۔ پھول جنگل میں کھلتا ہے۔ اور ایشور کے چرنوں میں گر کر خشک ہو جاتا ہے۔ اُسے کون پا سکتا ہے؟ میں دل کھو بیٹھا۔ کیوں دیکھا تھا؟ جان دینے کیوں گیا تھا؟ رام چندر نے مجھے سبز باغ دکھا کر کیوں اس حُسن کے بحر بیکراں میں غرق کر دیا۔ اُس نے ایک ہات نہ آنیوالی شے کا پتہ بتایا ہے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیا کروں گا۔ یہ سب میں کیا سوچ رہا ہوں۔ کیا میں مرد ہوں؟ اگر ایسا ہے۔ تو میری مردانگی کہاں گئی؟

اندو مکھی میری کون ہے؟ میں اُس کے لئے کیا سوچ رہا ہوں۔ وہ جنگلی پھول ہے جنگل میں ہی رہیگا۔ جنگل کا پھول انسان کے قابل نہیں۔ انسان اِن پھولوں کو پیار نہیں کرتا جب کبھی اندو مکھی کے پاس سے چلا آیا تو اندو مکھی کیا سوچتی ہوگی۔ یہ سوچکر بہت پریشان ہوئے۔

یہ خیالات بھی اُس کے دِل میں آ گئے۔ پھُول کھِلتا ہے۔ چاند مُسکراتا ہے۔ اِس سے اِنسان کیوں محظوظ ہوتا ہے۔ پھُولوں کی بُوئے خوش ناک کے ذریعہ سے داخل ہو کر اِنسان کے دل کو بیچین کر دیتی ہے۔ یہ کیا اِنسان کا قصُور ہے۔ میرا دل آگ میں کوُدنا چاہتا ہے۔ جل کر مرنے میں خوف نہیں کرتا۔ اسوقت دل کو کیونکر روک سکوں گا۔ مُنہ بند کیا جا سکتا ہے۔ مگر دِل کسی زنجیر سے جکڑا نہیں جا سکتا۔ شیل اسے نہیں سمجھ سکتی۔ صرف میرا مضحکہ اڑاتی ہے۔

رام بھدر کے بھی آنکھیں تھیں۔ اِس پیار و محبّت کی بات اس سے بھی پوشیدہ نہیں تھی دیکھ سُنکر دل ہی دل میں سوچا۔ اندومتی کا جوبن گنگا کی پُر شور لہروں میں بہا جا رہا ہے زبردست روانی سے اسوقت وہ بالو کا باندھ کسی طرح قائم نہیں رہ سکتا۔ اندومتی کو بہت پیار کرتا ہے۔ یہ عُمر اس قابل نہیں کہ وہ گھر میں رکھی جائے۔ مناسب بھی نہیں ہے۔ کسی قابل لڑکے کے ساتھ ہی شادی کر دینی مناسب ہے۔ لڑکا بھی اچھّا ملا ہے۔ متحمل مزاج خوش اطوار۔ اس کے علاوہ نہایت ہی تندرست و جسیم دیکھنے میں نہایت ہی دیدہ زیب۔ مال و دولت کی بھی کمی نہیں۔ جیسے کبیر کا خزانہ۔ اس سے زیادہ لائق اور موزوں لڑکا کیا مل سکتا ہے

یہ سب سوچ کر رام بھدر ایک دن نریندر ناتھ کے باپ کے پاس گیا۔ اور شادی کی تجویز پیش کی۔ رائے مہاشے نے سُنتے ہی نامنظور کیا۔ بولے:۔ لڑکی کے ماں باپ نہیں۔ عزیز و اقارب بھی کوئی نہیں۔ لڑکا سُسرال جاکر دو چار دن نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص مجلسی قید و بند کیونکر توڑی جا سکتی ہے۔ لڑکی خاندانی ہے۔ اس کا بھی پتہ نہیں۔ ان سب باتوں کے جواب میں رام بھدر نے نریندر ناتھ کی تمام بات چیت اندُومتی کے حسُن کا اجمالی طور پر ذکر کیا۔ اور یہ بھی کہا۔ گوکل پور میں ایک بار بلوہ ہو گیا تھا۔ سینکڑوں اس بلوہ میں جاں بحق تسلیم ہوئے بہتیرے بھاگ نکلے۔ مگر دھرنی دھر بابو معہ اپنے عیال و اطفال کے گاؤں چھوڑنے پر بھی نہ بچ سکے۔ راستہ ہی میں اُن کی اور ان کی بیوی کی موت ہو گئی رام بھدر کہتے کہتے رونے لگے مرتے وقت دھرنی دھر [illegible] تھا۔ رام بھدر اگرچہ تم میرے نوکر ہو تاہم میں تمہیں اپنے بزرگ سے کم نہیں سمجھتا۔ تم نے اسوقت میری حفاظت کی ہے۔ تم اپنے جیتے جی میری لڑکی کی اور رام بابو کی لڑکی کی حفاظت کرنا۔ اس کی ادائیگی میں نہیں کر سکونگا۔ رام بابو

دھرنی دھر کے دوست اور پڑوسی تھے اس لڑائی میں وہ بھی لاولد ہو گئے تھے۔ گوکل پور چھوڑ کر لڑکی کو لئے ہوئے بھاگ آئے تھے۔
رائے مہاشے یہ تمام باتیں سُنکر کسی قدر نرم ہوئے گوکل پور کے دھرنی دھر بابو سے تقریباً سب لوگ واقف تھے۔ اُس لڑائی میں سوائے اُس لڑکی کے اور کوئی نہیں بچا تھا۔ یہ بات بھی سبھی بخوبی جانتے تھے صرف یہی نہیں معلوم تھا کہ لڑکی کون ہے۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ مر گئی ہوگی۔ بہت تلاش کرنے پر بھی یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ اسوقت یہ سُنکر کہ اندومتی دھرنی بابو کی لڑکی ہے۔ رائے مہاشے بہت خوش ہوئے۔ بہت دنوں تک وہ ایک خوبصورت اور خوش سلیقہ لڑکی کی تلاش کرتے رہے مگر کوئی نہیں ملا۔ آج رام بھدر کے منھ سے اندومتی کے حُسن و اوصاف کا تذکرہ سُنکر دیکھنے کے لئے بیچین ہوئے۔ یہ طے پایا کہ لڑکی دیکھ کر کچھ طے کیا جائیگا۔ رائے مہاشے کی یہ باتیں سُنکر رام بھدر کے دل میں کسیقدر ڈھارس ہوئی۔ سوچنے لگا۔ ایسی لڑکی کہیں نہیں ملیگی۔ تاریخ مقررہ پر رائے مہاشے اندومتی کو دیکھنے جائیں گے۔

دوسرے دن رائے مہاشے اپنی بیوی سے بغیر کچھ کہے سُنے اندومتی کو دیکھنے گئے۔ اس کا حسن و جمال دیکھ کر مفتوں ہو گئے۔ عہد کیا۔ کہ اندومتی کے ساتھ ہی نریندر ناتھ کی شادی کریں گے۔ صرف ایک مرتبہ بیوی سے برائے نام تذکرہ کر کے رائے لینی ہے۔ اسی وجہ سے انکو بڑے فخر سے کہا۔ دیکھو بہو بہت خوبصورت ملیگی۔ تمہاری آنکھیں اور ناک اُس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ تلی کے پھول کی طرح ناک۔ کمل کی طرح آنکھیں۔ دونو ہونٹ نہایت ہی پتلے۔ وہ نت مرتبہ دن کی طرح۔ ایسی بہو لوگی؟
بیوی نے دل ہی دل میں کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ آج بھی اُسدن کی طرح ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ جبھی اتنی باتیں! بظاہر بولی:- آج پھر وہی مذاق؟
رائے مہاشے نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ نہیں سچ سچ ایسی بہو دیکھ کر آ رہا ہوں۔
بیوی:- بہت اچھا۔ دیکھا جائیگا۔
رائے مہاشے:- لڑکا سُسرال نہیں جا سکیگا۔ یہ بہو جنگل سے ہو رہے

بیوی:۔ میرے لڑکے کو ایک وقت سسرال میں کھانے کا بھی ابھاؤ۔ اگر بہو لکشمی ہے۔ تو ہونے دو۔ ایسی بہو کہاں دیکھی؟

رائے مہاشے :۔ قریب ہی۔

اسوقت رائے مہاشے بیوی سے نریندر ناتھ کی شادی کے متعلق طرح طرح کے مشورے کرنے لگے ٭

بدھ کو نریندر ناتھ کی شادی تھی۔ صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ رائے مہاشے کا مکان مہمانوں سے بھرا تھا۔ دس دن تک خوب ناچ رنگ اور تان ترنگ کی بہار رہیگی۔ مکانات نہایت ہی دلفریب اور دلکش سامان مرصع کئے گئے تھے۔ جھاڑ فانوس نہایت خوشنما نظر آتے تھے دیواروں سے خوبصورت تصاویر آویزاں تھیں۔

تماشائیوں کی کثیر تعداد سیلاب کی طرح امنڈی چلی آرہی تھی۔ لوگ دیکھنے تھے۔ جاتے تھے۔ بعض بعض تصاویر دیکھ کر لوگ ہنستے تھے۔ کوئی کوئی فرط حیرت سے دنگ تھا۔ کسی کیلئے کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ جو جہاں جو کچھ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے کوئی بندش نہیں تھی دس بجے رات کے قریب اچھی ساعت میں نریندر ناتھ کے ساتھ اندومتی کی شادی ہوگئی رام بھدر کی اتنے دنوں کی خواہش پوری ہوئی۔

ساتواں باب

دونوں کا ملاپ

نہایت ہی پرفضا اور پرسکون رات تھی۔ تمام مکان رشک چمن بنا ہوا تھا۔ خوشی کی دیوی اپنی سکھی سہیلیوں کے ساتھ محو خرام تھی۔ ہوا مستی سے جھومتی پھرتی تھی۔ درختوں کے پتے پتوں پر ایک عجیب وغریب ملاحت نظر آتی تھی۔ شاخیں پھول پھل سے لدی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ رات نے ستاروں کی مالا پہن لی تھی۔

نریندر ناتھ کی شادی ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہوگیا۔ رات کا یہ پرفضا حسن دیکھ کر نریندر ناتھ اندومتی کو ساتھ لے کر باغیچہ میں آئے اور فرط محبت سے متوالے ہو کر سیر و تفریح کا حظ اٹھانے

لگے۔ ٹہلتے ٹہلتے اندومتی نے گل وبوٗں کی رعنائیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ دیکھا۔ ایک ایک شاخ پھولوں سے لدی ہوئی ہے۔ دلاویز مگر نوشگفتہ پھولوں کی بوئے خوش سے تمام چمن طبلۂ عطار بنا ہوا تھا۔ بھونرے رس چوس رہے تھے بین کی آواز میں سرمست سانپ کی طرح۔ پھولوں کی بوئے خوش کہیں اس پھول کی بو سے ٹکراتی تھی۔ اور کبھی اُس سے۔ گویا وہ اپنی زبردست محبت کا ثبوت دے رہا تھا۔ چھی بھبھرے! تمہاری یہ حرکات قابل تحسین نہیں۔ تمہاری اِن شوخ حرکات کو دیکھ کر کوئی تمہیں پیار نہیں کریگا۔ کامنی کا پھول کسقدر لطیف ونازک ہے وہ دور سے ہی اپنی خوشبو ہر شخص کو دیتا ہے۔ مگر کسی کو اپنے آپ پر ہاتھ لگانے نہیں دیتا۔ بھونرا اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لئے کامنی کے پاس آیا۔ اُسپر بیٹھتے ہی پھول کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ گویا کامنی زبان حال سے کہہ رہی تھی منہ سے کہنے والی محبت نہیں چاہتی جاؤ تم بھاگ جاؤ۔ بھونرا اسوقت بھن بھن کرتا ہوا الجھان میں ڈوبی ہوئی کیتکی کے پاس گیا۔ کیتکی اپنا ادرس منہ بنائے خاردار گھونگھٹ نکالے سوچنے لگی وہ آج تمہیں رلا رلا کر چھوڑوں گی۔ بھونرے نے یہ بات نہیں سمجھی۔ وہ کیتکی کا گھونگھٹ ہٹا کر منہ دیکھنے کے لئے زبردست کوششیں کرنے لگا۔ حتّٰی کہ خود بھی اُنہیں کانٹوں میں اُلجھ گیا۔ تب بھونرے نے نامعلوم زبان میں کیتکی سے کتنی ہی منت وسماجت کی۔ گنگنایا گایا۔ مگر کامیاب ہوا بالآخر رو دھو کر بھاگ گیا۔ نریندر ناتھ واندومتی بھونرے کی یہ جدّوجہد دیکھ کر ہنس رہے تھے

اندومتی نے ہنستے ہنستے کہا:۔ ناتھ! پھول کیوں کھلتے ہیں؟

نریندر:۔ مرنے کے لئے۔

اندو:۔ پھر اِس کھلنے سے فائدہ کیا؟

نریندر ناتھ نے ذرا مسکرا کر کہا:۔ اپنی خوشبو سے کائنات کو معطّر کرنے کے لئے!

اندومتی نے اور کچھ نہیں کہا۔ وہ پھول چننے کے لئے چلی۔ نریندر ناتھ دور کھڑے ہوئے اندومتی کی یہ حرکات دیکھنے لگے۔ دیکھا فضائے دہر میں گویا اندرلوک کی اپسرا آگئی ہے۔ اور وہ پھول چن رہی ہے۔ اندومتی نے ایک سیاہ فیتہ سر میں لگا رکھا تھا۔ ساڑی کا آنچل سر سے سرک گیا تھا۔ یہ دیکھ کر نریندر ناتھ نے سوچا۔ گویا سیاہ سانپ آہستہ آہستہ

اُس صاف شفاف جسم پر پھسل رہا ہے - اندومتی کی مستانہ چال دیکھ کر خیال آیا - مدن کے عشق میں ڈوبی ہوئی رتی دیوی گویا کام دیو کی جفا دلی سے شکستہ دلی سے آہستہ آہستہ قدم جماتی ہوئی مست خرام ہے -

اندومتی پھول چن کر نرپندر کے پاس آئی - اور کہا - آؤ - بیٹھیں

نرپندر - اندو! کہاں؟

اندو - کیوں؟ اس درخت کے نیچے یہ کہہ کر اندو نے ایک درخت دکھایا -

اس کے بعد دونوں اس درخت کے نیچے بیٹھ گئے - اس درخت کے حسن کا کیا کہنا! ایک ایک شاخ پھول سے لدی ہوئی تھی - دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا - گویا کسی نے سبز مخمل پر ستارے ٹانک دیئے ہیں - اندومتی نے وہاں بیٹھ کر ہار گوندھنا شروع کیا - نرپندر ناتھ اندو کی گود میں اپنا سر رکھ کر آرام کرنے لگے پتوں کو چھیدتی ہوئی چاند کی صاف شفاف منور کرنیں اندومتی کے چہرے پر پڑنے لگیں - نرپندر ناتھ لیٹے لیٹے نیم باز آنکھوں سے اندو کے چہرے پر چاند کی کرنوں کا دلفریب رقص دیکھنے لگے - دیکھتے دیکھتے وہ اس حسن کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو گئے -

اندومتی ہار گوندھتی جاتی تھی - کیوں رو رہی تھی؟ یہ نہیں کہہ سکتی تھی - ان آنسوؤں نے ہار کی زیب و زینت میں ایک عجیب دلکشی پیدا کر دی - پھولوں پر وہ آنسوؤں کے قطرے موتی کی طرح نظر آ رہے تھے - یکا یک آنسوؤں کی ایک دو بوندیں نرپندر ناتھ کے جسم پر پڑیں - نرپندر ناتھ چونک کر اُٹھ بیٹھے - اور مضطربانہ انداز سے بولے "اندو! یہ کیا؟ روتی کیوں ہو؟"

اندومتی خاموش رہی - نرپندر ناتھ نے پھر کہا "اندو بتاؤ کیا ہوا؟"

اندومتی نے آنچل سے آنسو پونچھ کر کہا "کچھ نہیں"

یہ کہہ کر نرپندر ناتھ کے چہرے کی طرف پپیہا کی طرح پیاسی نگاہوں سے دیکھنے لگی -

نرپندر ناتھ نے کہا - "تمہی! کوئی جھوٹ بھی بولتا ہے؟"

اندومتی دل ہی دل میں بے چین ہو گئی - سوچنے لگی - شوہر کا درجہ دیوتاؤں سے بھی بڑھ کر ہے - دیوتاؤں کے سامنے جھوٹ بولنے سے چھٹکارا ہو سکتا ہے؟ یہ سوچ کر اُس نے

ایک گہرا سانس لیا۔ بولی: "ایک بات کا خیال آ گیا تھا"

نریندر نے بنیابانہ انداز سے کہا: "کونسی بات۔ اندو!"

اندو نے مضطربانہ نگاہوں سے دیکھ کر درد انگیز لہجہ میں کہا: "میں ہمیشہ کی دکھیاری ہوں۔ ایسے زبردست سکھ سے محظوظ رہونگی۔ ان جلے نصیبوں میں یہ کہاں؟" یہ کہتے کہتے، اندومتی کی آنکھوں سے تیزی کے ساتھ آنسو بہنے لگے۔ ان آنسوؤں کے پانی میں اس کا بھولی بھالا چہرہ دھل کر اور بھی نکھر آیا۔ آہا! کیا حسن دلاویز تھا۔ جیسے دیکھنے کے لئے بار بار طبیعت چاہتی تھی۔ بدھاتا نے مجھے آنسوؤں سے بھرپور کیوں نہ کر دیا۔ آنسوؤں کی لیلا اگر سمجھ میں آتی۔ تو کیا اچھا ہوتا۔ کاش! ان دونوں بڑی بڑی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر موجزن رہتا۔ تو ان گلابی گالوں کو ہمیشہ انھیں آنسوؤں سے دھو کر شگفتہ رکھتا۔ نریندر ناتھ کے دل میں بھی خیالات موجزن تھے۔ اندومتی کے ملاحت بار چہرے پر زہ آنسوؤں کی روانی۔ اور آنکھوں میں وہ مدوجزر کا عالم دیکھ کر کون ایسا تھا۔ جو بیخود نہ ہو جاتا؟

اندومتی! ہم جانتے ہیں۔ دنیا میں تم رونے کے لئے ہی آئی ہو۔ اندو! رونے میں خوف کی کیا بات ہے؟ دنیا اسی طرح روتی رہتی ہے۔

اندو! آسمان روتا ہے۔ سمندر روتا ہے۔ اسی رونے میں دنیا کو شانتی ملتی ہے۔ اگر آنسو نہ ہوتے تو دنیا میں زندہ رہنا غیر ممکن تھا۔ پتھر کے سینہ میں آگ مضمر ہے۔ اسی وجہ سے اس کی ہستی ہے۔ اس کے دل میں جو زبردست آگ شعلہ زن ہے۔ اسے ہم تم کیونکر جان سکینگے؟ آسمان تمام دن جلتا رہتا ہے۔ بیچ بیچ میں پانی آ کر اس کو تسکین و تشفی دیتا رہتا ہے۔ سمندر کی تلاطم خیز لہریں دیکھ کر دل میں یہ نہ سوچنا۔ کہ سمندر کے دل میں سوائے خوشی کے غم کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ سمندر کے دل میں غوطہ لگا کر دیکھو۔ وہ بھی جل جل کر رو رہا ہے۔ اس کے اوپر نیچے زبردست آگ مشتعل ہے۔ کیا خوشی سے سمندر کانپتا ہوا روتا ہے؟

ہم تم بھی روتے ہیں۔ ہم رونے کا وقت جانتے ہیں۔ دکھانے کے لئے دیکھ بھی سکتے ہیں۔ اندو! تم ہنس رہی ہو۔ ہنسو گی کیوں؟ ہنسی کو بھی موت کی گود میں پناہ لینی پڑتی ہے۔ پھول

مرنے کے لئے ہی ہنستا ہے؛ بجلی مرنے کے لئے ہی چمکتی ہے۔ شبنم ہنستے ہنستے ہی مرجاتا ہے اس لئے اندومتی! تم روؤ۔ ہم تمہیں اس دنیا کی بہار دکھائینگے۔
نریندر ناتھ نے اندومتی کے گالوں سے آنسو پونچھ کر کہا "چھی!! ان سب باتوں کے سوچنے کی ضرورت نہیں۔
اندومتی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

آٹھواں باب

دشمن

انسان کو قدم قدم پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خوشی کے سرپر ہر وقت غم منڈلایا کرتا ہے دم کے دم میں خوش قسمتی کا ستارہ بدنصیبی کے بحر ذخار میں غرق کر دیتا ہے۔
گووندپور کے زمیندار بابو گووند چندر گھوش تھے۔ گووندپور آنندپور سے ذرا فاصلہ پر تھا۔ اسی وجہ سے رائے مہاشے اور گھوش بابو سے عرصہ دراز کا ربط ضبط تھا۔ مگر نریندر ناتھ کی شادی کے بعد لسانوں کے معاملہ میں دونوں میں کچھ رنج چل گئی تھی۔ اسی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ بہت زمانہ تک دونوں ایک دوسرے سے انسانیت بات کرنے تک کا روادار نہیں رہتا۔ رفتہ رفتہ دشمنی بڑھتی گئی۔ اسی وجہ سے بہت سی سازشیں کی گئیں۔ اور جعلی مقدمے بنائے گئے۔ مگر دھرم کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔ گھوش بابو نے جو طوفان بے تمیزی برپا کئے تھے۔ رائے مہاشے ان سب میں فتحیاب ہوئے۔ گھوش بابو کو سزا ہوتی رائے مہاشے کی خواہش نہیں تھی۔ ورنہ وہ انہیں جیل خانہ بھجوا سکتے تھے۔
گھوش بابو بہت زیر بار ہوئے۔ رفتہ رفتہ جھگڑے بڑھتے گئے۔ اور ایک معمولی مقدمہ میں گھوش بابو کی تمام جائداد کا صفایا ہوگیا
اتفاقیہ وہ بیمار پڑے۔ بخار آنے لگا۔ بستر موت پر دراز ہوئے۔ بیٹے کو بلا کر کہا۔ جس طرح ممکن ہو۔ ایسی کوشش کرنا کہ رائے کے گھر میں کوئی چراغ تک جلانیوالا نہ باقی رہے۔ اگر یہ نہ کرسکو۔ تو کسی طرح اس خاندان میں کلنک کا ٹیکا لگا دینے کی کوشش ضرور کرنا تاکہ

دُنیا ان کی انگشت نمائی کرے بیٹے نے باپ کی آخری نصیحت بڑے غور سے سُنی اور باپ کو اطمینان دلایا۔

پر قول گوبند جھوکھوش کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد رلیئے مہاشے کو کسی طرح زیر نہ کر سکنے پر کلنک لگانے کی کوششیں کرنے لگے۔ سوچ سمجھ کر اُس نے ایک سہل راستہ پر چلنے کا ارادہ کر لیا۔

نواں باب ۹

گورمنی انسانی قوم کی ایک تھی۔ صرف یہیں تک معلوم تھا۔ نام کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق تھا یا نہیں۔ تتوکوش میں یہ بات نہیں لکھی تھی۔ گورمنی کے ساتھ گورنگ کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ گورمنی اِس دُنیا میں ہے یا نہیں۔ سو تو کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ گورمنی بیوہ تھی۔ یا کہ معلوم نہیں۔ مگر سادے کپڑے پہنتی تھی۔ مانگ میں سیندور کا ڈورا نہیں تھا۔ بڑ کا درخت جیسے تیل اور سیندور لگاتا ہے۔ گورمنی پہلے بھی نہیں لگاتی تھی۔ گورمنی چاروں برنوں میں سے کس برن میں تھی۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے۔ اُس کا رنگ کسی قدر سانولا تھا۔ کچھ بہت خوبصورت نہیں تھی۔ بلکہ خط و خال بھدے تھے۔ وہ گانے کی بڑی شائق تھی۔ آواز رسیلی تھی۔ اُسکی زمزمہ سنجیوں میں بہتوں نے اپنا دل پھنسا دیا تھا۔ سب کہتے تھے۔ گورمنی سدھ عورت ہے جسے ایک بار چھو لیتی ہے۔ وہی سدھ ہو جاتا ہے۔ انسان ہی کیا بلکہ اُس کے ہات کا چھوا ہوا کھانا بھی لذیذ ہو جاتا ہے

ڈھول میں جھول [ترکاری کا شوربا] اور طبلہ میں ترکاری کا مزہ آتا تھا۔ گورمنی میں اتنے گن تھے۔ پھر کیوں نہ لوگ کھنچتے۔

ایک دن رات کو گورمنی خود ہی گا رہی تھی۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا گورمنی دروازے کی کھٹکھٹاہٹ سُنکر ساند کی طرف ناک سے پھنکارنے لگی۔ مگر دروازہ نہیں کھولا۔ اس وقت وہ اپنی ہنسی نہیں روک سکی۔ مُنھ کو آنچل میں چھپا کر آہستہ آہستہ ہنسنے لگی۔ کچھ دیر بعد بولی۔ رات کو بھی نہیں چین لینے دیتے۔ ابھی چوکیدار کو بلاتی ہوں۔۔

چوکیدار کا نام سُن کر آنیوالا نہایت ہی خائف ہُوا۔ آہستہ آہستہ بولا میری گورمنی! دروازہ کھولو۔ میں ـــ ہوں ـــ"
گورمنی نے زندگی بھر میں ایسی پیاری آواز نہیں سنی تھی۔ میری گورمنی!" اس لفظ نے اُس کے دل میں بجلی کا اثر سرایت کر دیا۔ وہ دروازہ کھولنے کے لئے گئی مگر کھول نہ سکی دروازہ کے پاس ہی کھڑی رہی۔ جلد جلد کھولنے کے لئے کتنی بار خواہش کی۔ مگر ایک بار بھی ہمت نہ پڑتی۔ بالآخر وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا۔ گورمنی اسے پہچانتی تھی۔ دیکھتے ہی خوشی سے پھولی نہ سمائی۔
آنے والے گھر میں داخل ہو کر گورمنی سے دروازہ بند کرنے کے لئے کہا۔ وہ بند کر کے مضطربانہ انداز سے بیٹھ گئی اُس شخص نے ہات پکڑ لیا۔ ہات پکڑتے ہی اُس کی رگ وپے میں ایک بجلی کا اثر دوڑ گیا۔ سامنے بیٹھنے پر گورمنی کا نوں میں اُس شخص نے کیا کہا۔ کہ معلوم نہیں کیوں گورمنی کو جیسے غش آ گیا۔
گورمنی نے اُس شخص کی باتیں نہایت ہی غور سے سُنیں۔ اور غور کرنے لگی۔ اس کے بعد ارادہ کیا۔ کہ ضرور یہ کام کروں گی۔ اور اگر اس کام میں مجھے جان دینے کی بھی ضرورت پڑی۔ تو اس سے بھی دریغ نہ کروں گی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہ سوچ سکی۔ یکایک اُس نے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ وہ سوچنے لگی۔ دل میں بسو گے کیا؟

جواب:۔ بیٹھتے بیٹھتے ہی بیٹھوں گا مقصد براری کے لئے تو ضرور ہی بیٹھنا پڑیگا۔

سوال:۔ مقصد براری کے لئے بیٹھوگے۔ اس کا اعتبار کیا ہے؟

جواب:۔ مزید پختگی کی کیا ضرورت؟ کیا آجکا آنا اس بات کی دلیل نہیں۔

سوال:۔ کسی اور کام کے لئے آئے ہو۔ پھر کیونکر یقین آئے۔

گورمنی کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔ کسی کو مٹی میں ملانے سے کیا فائدہ؟

سوال:۔ اگر کام کرنے بعد کہیں چلے جائیں۔

جواب:۔ کہاں جاؤگے؟

سوال:۔ جہاں اُس کی خواہش ہو۔

[illegible]

سوال: تم کیا کروگے؟ کوئی جج تو نہیں ہو۔ کہ کچھ بُرا بھلا کر سکوگے؟

جواب: میں جج نہیں۔

ابتک آنے والا شخص گورمنی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رہ رہ کر گورمنی مُنھ بناتی جاتی تھی۔ اِس سے اُسے کچھ خوف معلوم ہوتا تھا۔ مگر گورمنی نے ہنسکر کہا۔ چاہے میری جان چلی جائے مگر کام ضرور کرُوں گی۔ وہ شخص خوش اپنے گھر آیا۔

دسواں باب

صُبح ہوئی گورمنی بستر سے اٹھی۔ جلد جلد اپنا کام ختم کر کے رائے مہاشے کے کی طرف روانہ ہُوئی۔ کیوں؟ نہیں کہہ سکتے۔ مگر کسی خاص مقصد سے ملی۔ گورمنی کے مکان سے رائے مہاشے کا مکان کچھ بہت دور نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ کا راستہ تھا۔ بیخوفی سے وہ رائے مہاشے کے مکان میں داخل ہوئی۔ اسوقت تقریباً آٹھ بجے تھے۔ رائے مہاشے کی بیوی سو کر اُٹھی تھیں۔ گھر کے اور لوگ مالکہ سے پہلے ہی اُٹھے تھے مالکہ نے گورمنی کو صُبح صُبح دیکھ کر کہا۔ کیوں گورمنی!! اتنے دنوں تک کہاں تھیں۔ نریندہ کی شادی کے بعد تو ایک دن بھی نہیں دیکھا۔

گورمنی رائے مہاشے کے گھر کی نائن تھی۔ اگر وہ گھر کی نائن نہ بھی ہوتی۔ تو بھی مالکن گورمنی کو بہت پیار کرتی تھیں۔ گورمنی ہمیشہ رائے مہاشے کے گھر جایا کرتی تھی۔ کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ یہ بات صرف مالکہ کی وجہ سے حاصل تھی۔

گورمنی نے مالکہ کی بات سُنکر آہستہ سے کہا:۔ اُس دن موسی جی آئی تھیں۔ وہ گھر جاتے ہوئے مجھے بھی اپنے ساتھ لیتی گئیں۔ آج تقریباً دو ماہ بعد واپس آئی ہوں۔ اسی وجہ سے آپ کو دیکھنے آئی ہوں۔

گورمنی نے سب باتیں جھوٹ کہیں۔ اس کا سبب یہ تھا۔ کہ گورمنی کو اپنا کہنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ کبھی اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاتی تھی۔ مرنے تک بھی کہیں جائے گی

یا نہیں۔ جانے کی جگہ تو تھی۔ لوگوں کے گھر بھی نائن کے لئے سب کچھ ہیں۔ مالکہ نہایت ہی سادہ لوح تھیں۔ اس لئے انہوں نے گورمتی کی بات پر یقین کر لیا۔ بولیں:۔ میرا خیال ہے تو نے آجکل میری بہو کو نہیں دیکھا۔ جا دیکھ جیسے سونے کی مورتی۔ میری بہو لکشمی ستی ہے
قدرتاً اندومتی کا حسن و ملاحت ساون کے پانی کی طرح زور شور سے رواں دواں نظر آتی تھی۔ اس کے جوبن کا ابھار نایک کے میل وملاپ سے روز افزوں ترقی کرتا جارہا تھا۔ گورمتی کو یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوئی۔ وہ کسی کی تعریف سنکر کبھی خوش نہیں ہوتی تھی۔ کسی کے شکلے کی بات سُنکر اس کے تلووں میں جیسے آگ لگجاتی تھی۔ مشکوک لہجہ میں بولی:۔
ایسی خوبصورت بہو! یہ کہکر وہ کھانسنے لگی۔
مالکہ نے سوچا کھانسی آتی ہے۔ اسی وجہ سے بات بُری طرح نکلی ہے گورمتی کا پاجی پن نہیں سمجھا۔ بولی:۔ شاید ابھی تک نہیں اُٹھی۔ بیچاری تمام دن کام کاج کرتی رہتی ہے۔ ذرا بیٹھ تو سہی۔ گھر جاتے ہوئے دال چاول لیتی جانا۔
گورمتی جسوقت رائے مہاشے کے گھر آتی تھی۔ مالکہ اُسے دال چاول دیا کرتی تھی۔ پہلے کی طرح آج بھی دینے پر تیار ہوئی۔ گورمتی نے کہا:۔ کیا دال چاول کے لئے آئی ہوں آپ کے نمک سے میرے سات پشت کی پرورش ہوتی آئی ہے۔ آپ جانتی ہیں۔ میں کھیتر کے پاس سے آرہی ہوں۔
کھیتر کا پورا نام کشیتر منی تھا۔ گورمتی حقارت سے اُسے کھیتر کہا کرتی تھی۔ کشیتر منی رائے مہاشے کی بیوی کی داسی تھی۔ اسوقت گورمتی محل کے اندرونی حصوں میں گھومنے لگی۔ مگر کہیں اندومتی کا پتہ نہ چلا! اندومتی کو بدنام کرنا ہی اس کا مقصد تھا۔ کھیتر منی کے پاس سے آرہی ہوں۔ یہ بھی سراسر جھوٹ تھا۔ یکایک کشیتر منی گورمتی کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ گورمتی نے ہنستے ہنستے کہا۔ کیوں بہن اب تم سویرے نہیں اٹھتیں۔ بڑے لوگوں کے گھر میں رہتے رہتے خود بھی بڑی بن گئی ہو۔
کشیتر منی نہایت ہی سادہ لوح لڑکی تھی۔ اس طعن آمیز گفتگو کا مطلب نہ سمجھ سکی بولی:۔ کیوں بہن! میں تو بڑے سویرے اُٹھتی ہوں۔ تم کب آئیں؟

گورمتی [illegible] سے کہا: [illegible] باتوں کو [illegible] کشمیر متی [illegible] دیکھ لی۔
کشمیر متی نے سوچا۔ شاید میں نے کوئی قصور کیا ہے۔ پوچھتے [illegible]
[illegible] سی [illegible] ہوں۔ [illegible] طرح [illegible] گورمتی [illegible]
[illegible] بیٹھ [illegible] گورمتی نے پھر کہا۔ ذرا بیٹھو تو کہو [illegible] دونوں [illegible]
ہوئی۔ دو ایک سکھ دکھ کی باتیں تو کرو۔

کشمیر متی:۔ بہن میرا سکھ دکھ کیا۔

گورمتی نے دیکھا کشمیر متی اچھی طرح باتیں نہیں کرتی شاید بات چیت کرنے کی اس کی خواہش بھی نہیں ہے۔ اس لئے اپنا مقصد حل کرنے کے لئے بولی:۔ بہن! بہو کہاں گئی؟ یہ کہکر منہ ٹیڑھا کر لیا کشمیر متی نے اس کی یہ حرکت نہیں دیکھی بولی:۔ کھڑکی کے پاس والے باغیچہ میں ہوگی بہن! بڑی خوبصورت بہو ہے۔ گورمتی اسوقت پاؤں ٹیکتی ہوئی جلدی جلدی باغیچہ میں گئی۔ دیکھا اندومتی وہاں ہی ہے۔ ناک سکوڑ کر بولی:۔ کیوں بہو! یہاں کیوں۔ رانی ہو کر زمین پر بیٹھی ہو۔

اندومتی توجہ کے ساتھ پھول چننے میں مصروف تھی۔ گورمتی کی بات نہیں سن سکی۔ گورمتی کو غصہ آگیا۔ ذرا ذرا سی بات پر غصہ ہو جاتا۔ اس کی جبلّی عادت تھی۔ سخت لہجہ میں بولی:۔ واہ! اسقدر دماغ!! پر پتھر پڑ گئے پتھر۔ بڑے لوگوں کی بہو ہونے پر غرور کو پاؤں تلے رکھنا پڑتا ہے۔ یہ غرور بہت جلد چور ہو جائے گا۔

اندومتی گورمتی کو نہیں پہچانتی تھی سسرال میں آکر بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے گورمتی کی ان طعن آمیز باتوں کو سنکر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے بولی کیوں جی۔ گالی کیوں دیتی ہو۔

گورمتی نے پھر بھویں چڑھالیں اور طعنہ آمیز لہجہ میں بولی:۔ مجھے نہیں پہچانتی؟ میں تیرے میٔے جم ہوں۔

یہ کہہ کر گورمتی جلدی جلدی وہاں سے چلی آئی۔ دیکھا ڈوبے ٹھاکر ادھر ادھر گھومتے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں۔ شرارت آمیز نظر سے ڈالتی ہوئی گورمتی وہاں سے چلی گئی۔

گیارھواں باب

خوفناک خواب

تقریباً دس بجے رات کا وقت تھا۔ اندومتی نے اپنے ہاتھ سے اپنا بستر بچھایا۔ باغیچہ سے جو پھول لائی تھی۔ وہ چاروں طرف قرینہ سے رکھے مسہری کی جھالر میں جوہی کے متعدد ہار لٹکائے۔ پھولوں کی بوئے خوشبو سے تمام کمرہ معطر و معنبر ہو رہا تھا۔ اندومتی پلنگ پر بیٹھی ہوئی نریندر ناتھ کا انتظار کرنے لگی مگر نریندر ناتھ نہیں آئے رفتہ رفتہ رات بھیگنے لگی۔ جوں جوں رات زیادہ جاتی تھی اندومتی کی بے چینی اور گھبراہٹ بڑھتی جاتی تھی اب آتے ہیں۔ اب آتے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ کھڑی ہو جاتی تھی۔ مگر مایوس ہو کر پھر بیٹھ جاتی تھی کبھی کبھی نریندر ناتھ کو دیکھنے کے لئے اٹھ کر دروازہ کے پاس جاتی۔ دیکھتے دیکھتے کتنی ہی دیر ہو گئی۔ پھر بھی نریندر ناتھ نہیں آئے۔ اسوقت اندومتی پاگلوں کی طرح گھبرا اٹھی۔ اور اپنے بال بکھیرنے لگی۔ پھول بکھر گئے۔ مجبوراً پلنگ پر لیٹ گئی۔ تمام بستر پر پھول بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھ جھپک گئی۔ اور خواب میں دیکھنے لگی۔ کہ آسمان کے مغربی حصہ میں جیسے زبردست آگ لگ گئی ہے۔ ڈوبتا ہوا سورج ایسا نظر آتا تھا۔ گویا آگ کا شعلہ ہے۔ اور تمام دنیا کو آگ کے روپ میں بدلانے کے لئے آسمان کی سرخی شعلہ زن آگ کی طرح سب کو اپنے پیٹ میں لپٹی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ خوفناک آگ ہر طرف شعلہ زن نظر آ رہی تھی۔ رات کی تمام تاریکی نے اس آگ میں جلکر آگ کا روپ اختیار کر لیا۔ بیچ بیچ میں وہی مشتعل آگ اپنے شعلہ کو ساتھ لئے ہوئے ایک ہی جھپٹے میں کائنات کی ہر چیز کو اپنے آپ میں جذب کرتی جا رہی تھی۔ اُف! کیسی زبردست آگ تھی!! ہر چیز آگ کا شعلہ دکھائی دیتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا قیامت آ گئی۔ وہی مشتعل آگ بجلی کے کوندھوں کی طرح کڑکتی ہوئی۔ تمام کائنات پر اپنا تسلط بٹھا رہی تھی۔ اس خوفناک آواز سے چرند پرند سب خائف نظر آ رہے تھے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ گویا اسی آگ میں جل رہا تھا۔ اندومتی بھی اسی آگ میں جل کر اپنے خاتمہ کا انتظار کر رہی تھی۔ اس خوف سے اس کا جسم ہوا کے زور سے ہلتے ہوئے کیلے کے پتے

کی طرح کلپنے لگا۔ وہ جیسے شمشان میں پہنچ گئی۔ اور نیم سوختہ لکڑیوں کی طرح سلگنے لگی معلوم نہیں کون اس نظارے کو دیکھ کر زور زور سے ہنس رہا تھا۔ اور تمسخر آمیز فقرے چست کرتا تھا۔

یکایک ایک شعلہ آکر اندومتی کے کپڑوں میں پڑ گیا۔ اُس کا کپڑا جلنے لگا۔ اسوقت اندومتی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ایشور کو پکارنا شروع کیا۔ اے مصیبتوں کے دور کرنیوالے شری مدھوسودن! مجھے نہ جلانا۔ ابھی تک میں نے اچھی طرح اپنے دیوتا کی پوجا نہیں کی۔ یہ کہتے کہتے اسے ایسا احساس ہوا۔ گویا اُس کا آدھا بدن جل گیا۔ پھر بھی وہ اپنی درخواست پیش کرنے سے باز نہ رہی۔ عقیدت آمیز لہجہ میں ایشور کے روبرو چلاتی ہی رہی۔ اُسی لئے دیوتا کی پرستش کا طریقہ سیکھا تھا۔ دیاشے! ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ گویا آدھا جسم جل گیا ہے تاہم رحم و کرم کی امیدوار ہوں۔ میری رکشا کرو۔ میں جنم کی دکھیاری ہوں۔ مگر ایشور نے اُسکی اس رقت انگیز منت و سماجت پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اگر سن لیتے تو دنیا میں اُسے اور کس چیز کی خواہش تھی۔

صرف یہی دکھائی دیا۔ اُس شعلہ زن آگ میں ایک نہایت ہی پاکیزہ صفات نازنین لمبی لمبی لٹیں چھٹکائے گیروے کپڑے پہنے۔ ترشول لئے ہوئے کھڑی ہوئی ہے۔ اُسے دیکھ کر اندومتی کو کسیقدر حوصلہ ہوا۔ اُس مورتی نے اندومتی کے دل سے جیسے تمام خوف نکال دیا۔ اور محبت آمیز لہجہ میں کہا۔ بیٹی! تو کسی قسم کا خوف نہ کرنا۔ تجھ پر زبردست مصیبت آنے والی ہے۔ طرح طرح سے تیری آزمائش کی۔ یہ آخری امتحان ہے۔ اس مرتبہ طرح طرح کے دکھوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر اس امتحان میں پوری اُتری تو تجھے سورگ ملیگا۔ تیرے دیوتا کی پوجا کا اندازہ اسی سے لگایا جائیگا۔ دُنیا خوفناک جگہ ہے۔ یہاں لالچ کا راج ہے۔ اس لالچ میں پڑ کر دیوتا کی پوجا نہ بھول جانا۔ دم بھر اسی قسم کی گفتگو کرتے ہوئے وہ نازنین اُسی شعلہ زن آگ میں مل کر ایک ہوگئی۔ اندومتی نے پوچھا۔ ماں بارہا امتحان لے چکی ہوں۔ پھر یہ آزمائش کیوں؟ اِن امتحانات کا مطلب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہے۔ ماں! یہ تمہاری کیا ریت ہے۔ آگ کے اندر سے پھر جواب ملا۔ بیٹی! جیتی

بار آزمائش کی ہے۔ تو پوری اُتری ہے۔ اِس مرتبہ تجھے صرف سورگ لیجانے کے لئے آزمائش کی جا رہی ہے۔

اندومتی نے اُس نازنین کو دیکھنے کے لئے خواب میں ہی پھر آنکھیں ملیں۔ مگر دیکھ نہ سکی۔ اُس نے سوچا تھا کہ اور بہت سی باتیں پوچھوں گی۔ مگر وہ بھی دل ہی دل میں رہ گئی۔ اسوقت اُسکا تمام جسم جیسے آگ میں جل رہا تھا۔ آگ کی تکلیف برداشت نہ کر سکی۔ خوف سے چلّا اُٹھی۔ جاگنے پر بستر پر ہات پھیلا کر دیکھا۔ نریندر ناتھ نہیں ہیں۔ اُس کا دل اور بھی کانپنے لگا۔ سمجھ گئی کہ یہ خواب تھا۔ مگر یہہ جاننے پر بھی دل کو ڈھارس نہ دے سکی۔

اندومتی کے خواب میں ڈرنے سے پیشتر ہی نریندر ناتھ گھر آگئے تھے۔ مگر یکایک کمرے میں نہیں داخل ہوئے۔ دروازے کے پاس ہی کھڑے ہوئے اندومتی کے حسن کا نظارہ دیکھتے رہے۔ دیکھا۔ اس سیاہ بالوں کے درمیان گویا بجلی ہنس رہی ہے۔ تیز روشنی کے سامنے یکایک نگاہیں نہیں ٹھہرتیں۔ جیسے آسمان کی طرف دیکھتے ہی بادل کہتا ہے۔ اگر دیکھیگا تو سر پھوڑ دوں گا۔ جان لے لوں گا۔ اسی وجہ سے کوئی بجلی چمکتے ہوئے نہیں ڈالتا۔ چھپنے کی ہر چند کوشش کی۔ مگر اُس بجلی کی تجلّی کا جلوہ تمام کمرے میں نظر آیا۔ خواہش ہونے پر بھی نریندر ناتھ اُس پُر نور نظارہ کی تاب نہ لا سکے دل ہی دل میں سوچنے لگے۔ "اگر ہزاروں آنکھیں ملتیں تو بھی شاید نظریں نہ ٹھہرتیں"۔

جونہی جیسے ہی اندومتی چلائی۔ ویسے ہی نریندر ناتھ نے اُسے پکڑ لیا۔ اندومتی بھی نریندر ناتھ کو اپنی آغوش میں دبا کر کانپنے لگی۔ نریندر ناتھ نے نہایت ہی بیتابانہ انداز سے پوچھا اندو! کیا ہُوا۔ چلاتی کیوں ہو؟

اندومتی کا خوف ابتک دور نہیں ہُوا تھا۔ اسی وجہ سے نریندر ناتھ کی بات کا کوئی جواب نہ دیسکی۔ نریندر ناتھ اور بھی متحیر ہوئے۔ بولے اندو! یہہ کیا کر رہی ہو؟ کیا ہُوا؟

یہہ کہتے کہتے نریندر ناتھ نے دیکھا۔ کہ اندومتی غش کھا کر زمین پر پڑی ہے۔ اُسوقت جلدی جلدی اندومتی کو اُٹھا کر اپنی گود میں دبا لیا۔ سر پر پانی چھوڑنے لگے۔ کچھ دیر بعد اندومتی کو ہوش آیا۔ نریندر ناتھ نے پھر محبت کے لہجہ میں کہا۔ اندو! بہت تکلف سے کیا؟

اندومتی نے آہستہ آہستہ کہا "نہیں"

نریندر:- پھر کراہ کیوں رہی ہو؟

اندومتی نے اُسوقت اپنے خواب کا تمام قصہ سُنایا۔ نریندر ناتھ سُنکر ہنسنے لگے۔ بولے معلوم ہوتا ہے۔ تُم بالکل پاگل ہو۔ خواب کیا کبھی سچا ہوتا ہے؟

اندومتی خاموش ہوگئی۔ نریندر ناتھ اُسوقت اندومتی کے خواب کی تعبیر پہ غور کرنے لگے۔

بارھواں باب ۱۲

ڈوبے ٹھاکر

عورت مقناطیس ہے۔ اس کی کشش سے انسان خود بخود کھینچتا ہے — اور اپنی جان دیتا ہے۔ معمولی ہوا کے جھونکے جیسے سمندر کی لہروں کی ساتھ ٹکراتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا بھی حال ہے۔ وہ بھی، اپنے ہستی بھول کر حسن کے بحر بیکراں میں ناز و انداز کی لہروں سے ٹکراتا ہے۔ سونے کی دُنیا مٹی میں ملا دیتا ہے۔

مہادیو ڈوبے ایک دن ایکبارہ ایک عورت کی ترچھی چتونوں سے گھائل ہوئے تھے۔ اُنھیں ترچھی چتونوں نے اُن کے دل میں اُسوقت ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اسوقت انھیں کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ دن رات اسی خیال میں محو رہتے تھے۔

مہادیو ڈوبے کی خوفناک اور پُر رعب شکل دیکھ کر فقیروں تک کو بھیک مانگنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔ فقیر دروازہ تک جاتے تھے۔ مگر اُن کی ہیبناک شکل دیکھ کر واپس آجاتے تھے۔ اُس دن ڈوبے ٹھاکر سُرخ بنات کا جامہ زیب تن کئے ہوئے دروازے پر بیٹھے تھے۔ اور نہ معلوم کس خیال میں غرق تھے۔

بڑی خوفناک اور تاریک رات تھی۔ ہر چہار طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہات کو ہات نہیں سوجھتا تھا ڈوبے ٹھاکر خیالات کی اُدھیڑ بُن میں مصروف تھے۔ عین اسی وقت ایک عورت آئی اور ڈوبے پر اپنے آتشین بان چھوڑے۔ زخم پر نمک چھڑکنے سے جو حالت ہوتی ہے۔ ان نگاہوں نے بھی وہی کام کیا۔ وہ اس نگاہ متحیر کا دیکھا

نہ لا سکے۔ ایسی عورت سے دو دو باتیں کر کے پریم کی بھیک مانگنے کی اُن کے دل میں بہت آرزو ہو ئی بولے۔ دیکھو سندری! تم بڑی خوبصورت ہو۔ تمہارے روبرو میں ہنومان جیسا ہوں عورت کے جسم پر ہات رکھ کر ڈوبے ٹھاکر جیسے باتیں کرنا چاہتے تھے۔ ویسے ہی وہ ہات جھٹک کر بولی۔ مرے بخت جسم پر ہات کیوں لگاتا ہے؟ یہ کہہ کر اُس نے پھر انھیں نگاہوں کے تیر چلائے۔ ڈوبے جی پروانہ کی طرح اُس شمع حسن پر نثار ہوگئے اور بے ڈہو کر گانے لگے۔

ہائے! جب ہم تم بن۔ کیسے
آؤ آؤ پیاری ہماری۔ تم پر میں بلہاری
جیب ہم کیسے۔ تم بن ہائے

عورت کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ڈوبے جی نے پھر دوہرایا۔ "جیب ہم کیسے" عورت نے پھر کہا چپ کمبخت۔ یہ کہہ کر اُس نے پھر ہنستے ہوئے انھیں نگاں کے تیر چلائے ڈوبے جی اس مرتبہ رشتہ غلطی ہو گئے۔ جلدی جلدی بولے آؤ پیاری آؤ۔ یہ کہہ کر عورت کا ہات کھینچنے لگے۔ اُسوقت گورمتی نے ایک عجیب وغریب مورتی دھارن کی۔ ہات جھٹک کر بولی۔ کیوں پاجی جسم پر ہات کیوں لگاتا ہے؟ کھڑا ہو رہ۔ ابھی تیرے سر سے بھوت اُتارتی ہوں۔

گورمتی کی یہ خوفناک مورتی دیکھ کر ڈوبے جی ذرا سرک کر آگے۔ گہرا سانس لیا۔ دل ہی دل میں سوچنے لگے جس کے لئے میں جان دینے تک گریز نہیں کرتا وہ تو میری طرف آنکھ بھر کر دیکھتی بھی نہیں۔ بلکہ ناراض ہو رہی ہے۔ یہ کیسی بے انصافی ہے۔ میں نے بڑی غلطی کی۔ اسوقت معذرت کرنی چاہیئے۔ یہی سوچتے سوچتے بولے "پیاری! اب زیادہ کیوں سختی کر رہی ہو؟ میں تو تمہارا غلام ہوں۔ جو کہوگی۔ وہی کروں گا۔

گورمتی ہنس پڑی۔ ہنسی تھی۔ گویا اندھے کو آنکھیں مل گئیں۔ اسوقت گورمتی نے شانت مورتی دھارن کر لی۔ ڈوبے جی پھولے نہ سمائے۔ طرح طرح کی ہنسی دل لگی ہونے لگی۔ موقع پاکر گورمتی نے نہایت ہی پیار و محبت کا اظہار کرتے ہوئے ایک بات کہنی شروع

کی معلوم نہیں۔ اُس نے کیا کہا۔ کہ دوبے جی سُنتے ہی کانپ اُٹھے۔
گورمتی نے کہا۔ واہ! بس معلوم ہو گیا۔ کہ تم مجھے اس قدر پیار کرتے ہو۔ تم سے اور کیا اُمید رکھوں؟ یہ کہکر اُس نے پھر کہکر اُس نے پھر اُن پر وہی ترچھی نظریں ڈالیں۔
دوبے جی خاموش رہے۔ گورمتی کی بات سُنکر اُن کا سر چکرا گیا۔ ہر چہار طرف اندھیر سنّاٹا نظر آنے لگا۔ اور اس کی بات کے جواب دینے تک کی طاقت سلب ہو گئی۔
گورمتی دوبے جی کے قریب جاکر پھر پیار و محبّت کے سبز باغ دکھانے لگی۔ اور بولی دوبے جی! تمہیں کسی قسم کا خوف نہیں صرف یہ خط پہنچا دو۔ یہ کہکر اُس نے ایک خط نکالا اور اُسے پہنچانے کی ترکیب ذہن نشین کرا دی۔ طرح طرح کی باتیں بنا کر انھیں بہت کچھ سمجھایا۔ کسی طرح اس خط کا راز منکشف نہو۔ اس کے متعلق بہت کچھ کہا۔ خط دینے کے بعد ہی وہ ہمیشہ کے لئے دوبے جی کی ہو جائے گی۔ یہ بھی کہا۔
اسوقت دوبے جی خط لے کر "رام رام" کہتے ہوئے چلے گئے۔

تیرھواں باب ۱۳

پرتول اور گورمتی آمنے سامنے بیٹھے ہوئے اندومتی و نریندر ناتھ کے متعلق سوچ رہے تھے کس حکمت سے اندومتی اور نریندر ناتھ کے دلوں میں میل آ جائے۔ وہ اسی فکر میں غرق تھے۔ گورمتی کی خواہش پوری ہوئی۔ پرتول اسوقت اس کے دامِ محبّت کا اسیر ہو چکا تھا۔ گورمتی بھی پرتول کا اپکار کرنے کے لئے بیچین ہو رہی تھی۔ اپنی نیکنامی اور بدنامی کا خیال جاتا رہا تھا۔ عہد کیا تھا۔ کہ چاہے جان چلی جائے۔ مگر پرتول کو جو قول دیا ہے۔ اُسے پورا کروں گی۔
گورمتی نے اُس دن دوبے جی کی آڑ میں ایک چال چلی تھی۔ مگر اُس میں اُسے کسی قدر ناکامیابی ہوئی وہ اپنے دل ہی دل میں ہزاروں ترکیبیں سوچتی تھی۔ مگر ان میں سے ایک کا اظہار بھی پرتول سے نہ کیا۔ پرتول نے بھی ودیا ترکیبیں سوچیں۔ مگر گورمتی کے روبرو کچھ کہنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ پاپ کے کام میں بڑی رکاوٹیں آتی ہیں۔ گورمتی

ان سب باتوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اسوقت اُس کا دل بےچین ہو گیا۔ مگر اپنے جذبات اور حالت پوشیدہ رکھنے کے لئے وہ ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگی۔ اور پرتول کو مخاطب کرکے کہا۔

"دیکھ کر تم کو نہیں معلوم کیوں + دل میرا قابو میں رہتا ہے نہیں

پرتول کی توجہ کسی اور طرف۔ گورمتی بات بات میں اشعار کہتی تھی۔ پرتول کی توجہ دوسری طرف دیکھ کر ہی اوپر کا شعر پڑھا تھا۔ شعر سن کر پرتول کو ہنسی آگئی۔ اُس نے ہنستے ہنستے کہا۔ گورمتی! تمہیں شاعری کا شوق کب سے ہوا؟!

گورمتی اس مرتبہ کوئی شعر نہیں کہا۔ صرف اس قدر کہا۔ جب سے تمہیں پایا۔

پرتول نے گورمتی کی طرف اشتیاق آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ یہ نگاہیں گورمتی کے دل کو چھیدتی ہوئیں اندرونی حصوں تک پہنچ گئیں۔ وہ بیخود ہو گئی۔ سورگ کا مزہ آنے لگا۔ دُنیا کو چھوڑ کر جیسے کسی ایسے مقام میں پہنچ گئی۔ جہاں دُنیاوی تکالیف کا نام ونشان نہیں۔ اُس سمندر میں فکر و آرام کی لہریں موجزن نہیں ہوتیں صرف سکھ ہی سکھ ہے ہر چہار طرف شانتی ہی نظر آتی ہے۔ گورمتی وہاں سے واپس آنا نہیں چاہتی تھی۔ اُسی شانتی کے بحر بیکراں میں غوطہ کھا رہی تھی۔ مگر سکھ عارضی ہوتا ہے۔ کسی کی قسمت میں ہمیشہ نہیں رہتا قدرت کا یہی قانون ہے۔ گورمتی کو بھی جلد ہی وہ جگہ چھوڑنی پڑی اُسوقت اُس کے دل میں [illegible] طرح آب محبت سے اپنی پیاس بجھانے کی خواہش ہوئی۔ مگر پرتول سے کچھ نہ کہہ سکی۔ زبان پر جیسے کسی نے مہر لگا دی صرف تیروں سے گھائل چاند کی طرح تڑپنے لگی۔ بار بار پرتول کی طرف محبت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پرتول نے بآسانی گورمتی کی حالت کا اندازہ کر لیا۔ اپنے جذبات چھپا کر گورمتی کے چال چلن پر غور کرنے لگا۔ مگر آگ کی مشتعل چنگاریوں کو جیسے کپڑے میں نہیں باندھا جا سکتا۔ اُسی طرح گورمتی کے [illegible] کی چالاکیاں کام نہ کر سکیں گورمتی فوراً بھانپ گئی۔ اور ایک ایسا دلدوز گیت گایا۔ کہ خود ہی مست ہو گئی۔

جب گورمتی گا رہی تھی۔ پرتول ایک مٹی کا گھڑا لئے ہوئے بجا رہا تھا۔ اُسے سر

اور تال کا خیال نہیں تھا۔ وہ بجانا نہیں جانتا تھا۔ مگر گورمنی کو یہی بہت اچھا معلوم ہوا۔ گانا ختم ہونے کے ساتھ ہی اُس کے جذبات کا بھی خاتمہ ہونے لگا۔ پرتول نے کہا۔ گورمنی! شاید ناراض ہو گئی ہو؟

گورمنی نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ "نہیں"

پرتول:- میں گھڑا بجا رہا تھا۔ وہی سُنکر

گورمنی:- نہیں۔ تمہارے ہات میں بڑی صفائی ہے۔ اس ہات کی تشبیہ کس سے دوں میں کیا گاتی ہوں۔

پرتول نے پُرمذاق لہجہ میں کہا۔ شیاما کے زمزمے بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

شیاما چرن گورمنی کا پڑوسی تھا۔ اُس کا گلا بیٹھا ہُوا۔ گورمنی اس مذاق کو سمجھ گئی مگر بُرا نہیں مانا۔ بلکہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ ذرا دیر بعد پرتول نے پھر کہا۔ کہ اسوقت کیا کرنا مناسب ہے۔

گورمنی پھر دریائے تفکر میں غوطہ زن ہو گئی۔ سوچنے لگی۔ پرتول کی خواہش اگر نہ پوری کر سکی۔ تو اس کے ساتھ زندگی کی بہار کیونکر لوٹ سکونگی۔ یہ سوچتے سوچتے یکایک گورمنی ھنس پڑی۔

پرتول نے گورمنی کو ہنستے ہُوئے دیکھ کر کہا۔ گورمنی! ہنستی کیوں ہو؟

گورمنی نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ ٹھیک کیا

پرتول نے بیتابانہ انداز سے کہا:- کیا ٹھیک کیا۔

گورمنی:- اسوقت وہ بات نہیں کہونگی۔

پرتول نے گورمنی کی بات سُننے کے لئے بڑی بے چینی کا اظہار کیا۔ گورمنی نے دل ہی دل میں کہا:- کہ پرتول سے ایک عہد کیا کراؤنگی۔ مگر ہمت نہ پڑی۔ اس نے سوچا۔ اگر عہد کراتے ہُوئے اگر اس کے دل کو صدمہ پہنچا۔ تو تمام آرزوؤں پر اوس پڑ جائے گی۔

یہ سوچ کر گورمنی نے پرتول کے کان میں وہ تدبیر بتائی۔ وہ سُنکر بہت خوش ہُوا

سوچا۔ اتنے دنوں کی آرزو پوری ہوئی۔ ناظرین سمجھ گئے ہونگے۔ کہ گورمتی کے گھر میں اُسدن پُرتول ہی آیا تھا۔

چودھواں باب ۱۴

پھر راستہ میں

گورمتی گھر کے سامنے والے گھاٹ پر بیٹھی تھی۔ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ کسی کا انتظار کر رہی ہے۔ صورت سے بیقراری ٹپک رہی تھی۔ عموماً ایک شخص گورمتی کے مکان کے سامنے سے آیا جایا کرتا تھا۔ وقت گذر گیا۔ مگر وہ شخص نہ آیا۔ گورمتی نے سوچا۔ شاید وہ شخص آج نہیں آئیگا۔ اگر آنا ہوتا۔ تو اب تک آجاتا۔ اگر آج نہ آیا تو دو دن بعد آئیگا۔ اُسوقت گورمتی سے ہات چھڑا کر بھاگ نہیں سکیگا۔ یہ سوچ کر وہ گھر گئی۔ مگر جاتے جاتے ایک بار راستہ کی طرف نگاہ کی۔ دیکھا وہ شخص گھوڑے پر سوار چلا آتا ہے گورمتی اندر نہ جاسکی واپس آکر راستہ میں کھڑی ہوگئی۔ دیکھتے دیکھتے وہ شخص پاس آگیا۔ گورمتی نے اُسے نمسکار کیا۔ اور نہایت ہی عاجزانہ مگر حیا پرور لہجہ میں کہا۔ مہاراج! میری ایک بات ہے۔

نریندر ناتھ نے گھوڑا کھڑا کیا۔ کیا بات۔ ہے کہو؟

گورمتی نے کہا۔ مہاراج! ہم چھوٹے آدمی ہیں۔ ہماری بات پر آپ کو یقین نہ آئیگا۔ مگر میں زمین پر پاؤں رکھ کر دھرم کو ساکشی کر کے کہوں گی کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی۔ اگر جھوٹھ کہوں تو میرے منھ میں کوڑھ ہو۔

نریندر ناتھ کو گورمتی کی یہ باتیں سُنکر غصہ آگیا۔ بولے۔ اگر تمہیں کچھ کہنا ہو۔ تو کہو گورمتی کے دل پر خوف طاری ہوا۔ سوچنے لگی۔ کیا کہہ ڈالا؟ کہکر کیا زندگی کا خاتمہ کروں گی جب کہہ چکی ہوں تو کچھ کہنا ہی پڑے گا۔ یہ سوچ کر وہ گھبرا اُٹھی۔ تمام بدن کانپ اُٹھا۔ دل دھڑکنے لگا۔ زبان خشک ہونے لگی۔ بات نہ نکلی۔

نریندر ناتھ نے پھر کہا۔ کیا؟ کہتی کیوں نہیں؟

گورمتی نے پھر سوچا۔ پرتول کا کام نہ کروں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر جان بھی چلی جائے۔ تو مضائقہ نہیں۔ مگر اس کا کام ضرور کروں گی۔ یہ سوچ کر اُس نے نریندر ناتھ سے نہایت آہستہ آہستہ نہ معلوم کیا کہا۔؟

سُنتے ہی نریندر ناتھ گورمتی کے جسم پر کتنی ہی چابک رسید کیں۔ اور گھوڑے پہ سوار ہو کر اُسے بھی ایک دو لگائیں۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا چلا۔ گورمتی روتی چلاتی پہنچی۔ اور مکان میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ بیٹھے بیٹھے پاس کی زمین صاف کرنے لگی۔ اُس کے دل میں اُسوقت یہ خیال آیا۔ کہ اب مرض کی دوا نہیں ہے۔ برہما کے بھائی دشمنو۔ اگر خود ہی آجائیں۔ تو بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ میں تو صرف گورمتی ہوں اسوقت جان دے کر بھاگنے سے ہی بچ سکتی ہوں پر تول سے ضرور مل کر جاؤنگی۔ پرتول کیا میرا ہوگا؟ کس کے دل میں کیا ہے؟ کون کہہ سکتا ہے ؟

نریندر ناتھ کے دل میں کچھ دُور آنے کے بعد گورمتی کی باتوں نے طرح طرح کے شکوک پیدا کر دئے۔ ایک بار خیال آیا۔ ناگن نے ایسی بات کیوں کہی؟ جھوٹی بات کہنے سے اپنی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیا اُس نے نہیں سوچا تھا؟ ناگن تو کبھی بات چیت نہیں کرتی تھی۔ "تا نہ باشد چیزکے مُردم نہ گویند چیزہا"۔ اگر پرتول پر مصیبت آجائے۔ تو اس میں اُسے کیا فائدہ ہے؟

پھر سوچا درخت کا پرند پکڑنے سے ہی لوگ نام رکھتے ہیں۔ معمولی خاندان ــــ خبر نہیں معمولی ہے۔ یا کیا ــــ کی ایک لڑکی سے شادی کی ممکن ہے اُس کا چال چلن قابلِ اعتراض ہو۔ ایسے گھرانے کے لڑکے لڑکیاں عموماً آوارہ ہوتی ہیں۔ تو کیا اندومتی بھی ایسی ہی ہے؟ چھی اچھی گورمتی کے دل میں بھی یہ بات آئی۔ تو واقعی یہ بات صحیح ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں۔

دیکھا ہے۔ نریندر ناتھ کا چہرہ اُتر گیا۔ معلوم نہیں اُن کے دل میں کیا خیال آیا؟ ایک گہرا سانس لیا۔ پھر سوچا۔ اُس دن بھی بیٹھک خانہ میں اسی کے متعلق ایک خط پایا تھا۔ یہ خط کون دے گیا تھا؟ اس کے متعلق ابتک کوئی بات نہیں جان سکا۔ اس میں بھی

اندومتی کے متعلق کتنی ہی مشکوک باتیں بھیں۔ میں اُسے کسی پاگل کی بڑ سمجھتی تھی۔ مگر اب دیکھتا ہوں وہ پاگل کی بڑ نہیں۔ بلکہ سچی بات ہے۔ اچھا۔ اگر اندومتی کا چال چلن واقعی مشکوک ہے تو میں کیا کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ وہ مجھے جیسے پہلے پیاری تھی۔ اب بھی ہے۔ جو مجھے دم بھر نہ دیکھنے پر نہ معلوم کیسی ہو جاتی ہے۔ اُس کا دل اسقدر ناپاک ہے۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا اندومتی کا منھ دیکھ کر سورگ کی چیزوں کا خیال آتا ہے۔ ہائے وہ پاکیزہ شے ناپاک ہو گئی میں کیونکر یقین کروں گا؟

ناظرین! نریندر ناتھ نے اس سے پیشتر جس خط کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہی خط ہے۔ جو دوبے جی بیٹھک خانہ میں رکھ آئے تھے۔ گومتی کی محبت کے دام میں پڑ کر اُنھوں نے ایسا کیا تھا گھر والوں نے بھی نریندر ناتھ کی جڑ میں کلہاڑی ماری ہے۔ یہ کوئی کیسے سمجھے؟

یکایک نریندر ناتھ کے دل میں پرتول کے باپ کی دشمنی کی بات آئی شک نے یقینی حالت اختیار کی۔ پرتول کا چال چلن اچھا نہیں تھا۔ یہ نریندر ناتھ بخوبی جانتے تھے۔ اس لئے اُنھیں اب ذرا بھی شک نہ رہا۔ اُن کے دل میں طرح طرح کے خیالات نے گھر کیا گھوڑے سے اُتر کر پھر گورمنی کے مکان کی طرف سائیس کچھ دور پر تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے نریندر ناتھ گھوڑے پر سے گر پڑے ہیں۔ اُس نے تیزی سے قدم بڑھا کر گھوڑا پکڑ لیا۔ اور نریندر ناتھ کے پاس آیا۔ اُنھوں نے سائیس کو بھی دو تین چابک رسید کیں۔ اور غضبناک لہجہ میں کہا۔ گھوڑا گھر لے جاؤ۔ سؤر!

سائیس گھوڑا لے کر گھر کی طرف چلا۔ راستہ میں سوچنے لگا۔ بابو کا مزاج آج اسقدر کیوں بگڑ گیا؟ وہ تو نوکروں پر کسی قسم کا ظلم نہیں کرتے تھے۔ نہ معلوم اس کمبخت گورمنی نے کیا کر دیا؟ ابھی تو راستہ میں آتے آتے بابو جی کتنی دلخوش کرنیوالی باتیں کرتے تھے۔ نائن کے پاس آتے ہی کیا ہو گیا! اُس کا تمام غصہ گورمنی کے سر پر پڑا اُس نے فیصلہ کیا۔ کہ کمبخت کے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ وہ گھوڑا لے کر گھر آگیا۔ اُس دن گھوڑے کو دانہ کم ہی دیا۔

نریندر ناتھ گورمنی کے مکان کے پاس آئے۔ اور گورمنی کو آواز دی گورمنی! گورمنی!

گومتی نریندر ناتھ کی آواز سُنکر گھر کے کونے میں چھُپ رہی۔ اُس نے سوچا وہ اُسے گرفتار کرنے آئے ہیں۔ اور اس بار اگر پکڑ لیا۔ تو جان ہی چلی جائے گی چابک تو پھر بھی اچھے تھے۔ گومتی کو زیادہ سوچنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اتنے میں نریندر ناتھ اندر آ کر بولے :۔ گومتی! میں نے قصور کیا۔ دیا کر کے میری ایک بات سُنو۔

گومتی مکان کے کونے میں کھڑی ہوئی سب کچھ سُن رہی تھی۔ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی۔ اُس نے سوچا۔ دوا کارگر ہوئی۔ مریض آسانی کیا کڑوی دوا کھانا پسند کرتا ہے۔؟ جبراً کھلانا پڑتا ہے۔ دوا پیٹ میں جانے سے تو بہت فائدہ کرتی ہے۔ دھوکا دیکر روتے روتے جیسے ہی کوٹھڑی سے باہر نکلی۔ ویسے ہی نریندر ناتھ نے بیتیابانہ انداز سے پُوچھا:۔ تجھے یہ سب کہاں سے پتہ لگا۔؟

گومتی روتے روتے بولی: "مہاراج! آپ لوگ بڑے آدمی ہیں —"

نریندر ناتھ نے بات کاٹ کر غضبناک لہجہ میں کہا۔ دیکھ اب تو اپنا مہاراج وغیرہ رہنے دے جلد سچی بات بتا۔ کسی بات کا خوف نہ کر"

گومتی نے ابرؤں میں بل ڈال کر کہا:۔ وہ سب باتیں کہتے ہوئے مجھے شرم معلوم ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے آنچل میں اپنا منہ چھپا لیا۔ اور سر نیچا کر لیا۔ نریندر ناتھ نے اور بھی دبا کر کہا۔ جلد بتا۔ ورنہ تیرا سر پھوڑ دوں گا۔

نریندر ناتھ نے گومتی کو تھپڑ دکھایا۔ اور دل ہی دل میں سوچا۔ گومتی بھی شاید کہنے سے شرماتی ہے۔ جس گومتی سے سب لوگ نفرت کرتے ہیں۔ وہی گومتی آج میرا مضحکہ اڑا رہی ہے چھی! اگر ممکن ہوا۔ تو اس زندگی کا خاتمہ کر دوں گا۔ ورنہ دوسری صورت میں اندومتی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہوں گا۔ اور کلنک کا ٹیکا اپنی پیشانی سے مٹا کر نیکنام بنوں گا۔

گومتی اُسوقت موقع پا کر ڈرتے ڈرتے جتنا زہر اُس کے اندر تھا۔ سب کا سب نریندر ناتھ کے دماغ میں داخل کر دیا۔ بالآخر یہ بھی کہا۔ کہ راما بھدر کے ذریعہ سے ہی اِن تمام واقعات کا ظہور ہوا ہے۔ شادی سے بہت پہلے ہی پرتول اور اندومتی میں محبت ہو گئی تھی۔ یہ تمام باتیں گومتی نے اس دلکش انداز سے کہیں۔ کہ نریندر ناتھ کو اُس کے پاجی پن کا ذرا

میرے پاؤں پڑتا ہے - اور اسی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا - گورمتی میں اتنی طاقت ہے - کہ وہ ابھی اُسے ہنسا سکتی ہے - خواہش کرنے سے ہی وہ پتھر سے پانی نکال سکتی ہے - اس رونے میں وہ ہنسی کا سماں پیدا کر سکتی ہے - مگر ایسا کیوں کروں گی؟ کیوں اپنے پاؤں میں خود بخود کانٹا چبھونا چاہتا ہے؟ سب اپنے اپنے سُکھ کے لئے پاگل نظر آتے ہیں - پھر میں کیوں نہ پاگل ہونگی؟ اپنے سُکھ کے راستہ میں کانٹا بو کر کون دوسروں کا بھلا کرتا ہے - جو اپنا عیش و آرام نہیں چاہتا - وہ دُنیا سے گیا گذرا شخص ہے - پرانکیا کر کے اگر وہ چینی سے اپنا مُنھ میٹھا کرے گا - تو میرے لئے گڑ ہی بہت کچھ ہے - دونوں کی حالت یکساں ہے کوئی فرق نہیں - مُنھ دونوں کے میٹھے ہوں گے یہ کونسا بہت خراب کام ہے انسان اپنی طرف نہیں دیکھتا - ہمیشہ دوسرے کے عیوب پر نظر رکھتا ہے - اور اس کا خاکہ اڑانے کی کوشش کرتا ہے - لوگوں کے مزاج مختلف واقع ہوئے ہیں - جس کا جیسا سبھاؤ ہے - وہ وہی کرتا ہے - اس میں دوش ہی کیا ہے؟

گورمتی اسی قسم کے خیالات میں غوطہ زن تھی - اتنے میں نریندر ناتھ آگئے - اسوقت شام ہو رہی تھی - گورمتی نے اپنا مکان اچھی طرح صاف کیا تھا - نریندر ناتھ کو ساتھ لے کر وہ کھڑکی سے ملے ہوئے باغیچہ کی طرف چلی - آہستہ آہستہ دونوں پہنچے - گورمتی نے کہا - یہاں بیٹھ جائیے - اور آڑ سے سب کچھ دیکھئے - وہاں دیوار تھی - اور اُس دیوار میں بہت سے سوراخ تھے - بہت دیر بعد دیکھا - ایک شخص ایک کنج میں داخل ہوا - تھوڑی دیر بعد ہی ایک درخت کی بیل سے ایک خط باندھ گیا - کھڑکی کے پاس ہی کنج تھا - نریندر ناتھ بغور دیکھ رہے تھے - وہ شخص جلدی جلدی خط بیل سے باندھ کر باہر چلا گیا - نریندر ناتھ نے اُس شخص کو پہچان لیا -

قسمت کی بات! اندومتی بھی عین اُسی وقت دوسری طرف دیکھتی ہوئی باغیچہ میں ٹہلنے لگی - نریندر ناتھ نے یہ سب دیکھا - اُس کا جسم غصہ سے ہوا میں ہلتے ہوئے پتے کی طرح کانپنے لگا - وہ شخص بھی اُن کے سامنے ہی بھاگ گیا تھا - اور ایک بار پھر کر بھی نہیں دیکھا تھا - وہ آہستہ آہستہ اندومتی سے چھپ کر باغیچہ میں گئے - اور

خط کھول لائے۔ غریب اندومتی کو اِن باتوں کا کچھ بھی پتہ نہ چلا۔ باہر آکر خط پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:-

اندو!

سُنا ہے۔ ہمارے آپس کی محبت کا راز فاش ہوگیا ہے۔ تمہارے شوہر نے جان لیا ہے اور بدلہ لینے کے لئے خاص خاص تدابیر سے کام لے رہے ہیں۔ اسی لئے اپنے دونوں کی حفاظت کے لئے میں نے سوچا ہے۔ کہ کچھ دنوں تک تم سے نہیں ملوں گا۔ اگر ممکن ہوا تو اسی طرح خط کے ذریعہ اپنے دلی حالات کا اظہار کرتا رہوں گا۔

تمہاری محبت کا پیاسا

پرتول

خط پڑھ کر نریندر ناتھ کے غصّہ کا پارہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر گیا۔ جیسے آگ میں کسی نے تیل چھڑک دیا۔

دوپہر کو گورمتی پرتول کو رائے مہاشے کے مکان کے پاس والے باغیچہ میں چھوڑ آئی تھی کس غرض سے اُس نے ایسا کیا تھا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ چونکہ اُس وقت سب لوگ کھانے پینے میں مصروف تھے۔ اُس نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ اسی وجہ سے کسی نے پرتول کو وہاں جاتے نہیں دیکھا۔ شام کے وقت اندومتی حسب معمول باغیچہ میں سیر کرنے گئی۔ ٹہلتے ٹہلتے کچھ پھول چننے۔ اور ایک ایک پھول کے پاس ٹھہر کر اُس کے کیڑے وغیرہ صاف کرتی تھی اسی وجہ سے وہ پرتول کو نہیں دیکھ نہیں دیکھ سکی

نریندر ناتھ کے دل میں پرتول کا خط پڑھ کر اور پرتول کو وہاں جاتے دیکھ کر شک پیدا ہوا اُن کے ذہن نشین ہوگیا۔ کہ گورمتی نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ لفظ بہ لفظ صحیح ہے۔ نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے خط پر نظر ڈالتے ہوئے وہ چلے گئے۔

سولھواں باب ۱۶

نریندر ناتھ کھڑکی کے پاس والے باغیچہ سے خواب گاہ میں آئے۔ آتے ہی اندومتی

کو دیکھا۔ وہ باغیچہ سے پھول لے کر ابھی آئی ہی تھی۔ نریندر ناتھ اُسے دیکھ کر غصّہ سے جل اُٹھے۔ اس سے پیشتر جس اندُومتی کو دیکھ کر نریندر ناتھ کا دل کے محبّت کے بحرِ بیکراں میں غوطہ کھانے لگتا تھا۔ اس وقت اُس اندومتی کو دیکھکر نفرت کی ترنگیں دل میں موجزن ہوئیں۔ وہ اسوقت پاگلوں کی طرح ہو گئے تھے۔ بُرے بھلے کی تمیز جاتی رہی تھی۔

اندُومتی کو دیکھ کر وہ جیسے کچھ کہنا چاہتے تھے مگر نفرت کی زبردست کی زبردست ترنگوں نے انہیں اپنی رو میں بہا لیا۔ کچھ نہ کہہ سکے۔ آنکھیں آگ کی طرح جلنے لگیں۔ مُنھ پر جیسے موت کا سایہ پڑ گیا۔ سادہ لوح اندُومتی اسوقت نریندر ناتھ کے چہرہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اُس کی آنکھوں میں بھی ڈر بھرا ہُوا تھا۔ دیکھا۔ یہ چہرہ جیسے پہلا چہرہ نہیں ہے —

اندو رونے لگی — اندو تھی آج بیاہی!!!

اُس چاند جیسے چہرہ کو بادلوں نے ڈھک لیا۔ اندُومتی بادلوں کے پردہ میں چھپتی ہوئی بجلی
کی طرح اُس چہرے کو دیکھ کر کانپ اُٹھی۔ بہت دیر تک نہ دیکھ سکی۔
اگر اُسی وقت اندُومتی کے سر پہ آسمان پھٹ پڑتا۔ یا جان نکل جاتی۔ تو اتنا دُکھ کیوں ہوتا
نربیدرناتھ کی یہہ حالت دیکھ کر اُس کے دل میں تکلیف ہونے لگی۔ سوچنے لگی۔ جیسے وہ
اس دُنیا میں نہیں ہے۔ یہہ دنیا بھی اُس کی نہیں ہے — آج وہ بھکارنی ہے اُسے
دُنیا میں کھڑا ہونے کے لئے جگہ نہیں۔ جہاں کھڑی ہوتی ہے۔ وہیں کتنے خواب دیکھتی ہے —
شمشان دیکھکر چونک اُٹھی ہے۔ اسی شمشان بھومی میں وہ اکیلی ہے — ہر چہار طرف آگ
شعلہ زن ہے۔ کون اُسے اس شمشان بھومی سے ٹھنڈے اور آرام دہ مکان میں لیجائیگا
نربیدرناتھ؟ اندُومتی نے پھر نربیدرناتھ کی طرف دیکھا — دیکھا اسوقت بھی نربیدرناتھ کی
آنکھوں میں آگ جل رہی ہے — دھک دھک! دھک!!! اندو کا مکان بھی جل گیا —
اندو رونے لگی۔ اندُومتی۔ آج بھکارن ہے!
بھکارنی پناہ کے لئے نربیدرناتھ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ اسی چہرے کے درشن سے
وہ ہمیشہ شانتی پاتی رہی ہے۔ اور کہاں جائے گی؟ جانے کی جگہ تو تھی۔ اسی لئے پھر دیکھنے
لگی — اور کیا کیا سوچنے لگی — منھ سے بات تو نکلی ہی نہیں — سینہ شق ہونے لگا۔ اس مرتبہ
جیسے پرلے کے دریا میں ڈوبنے لگی۔ اُس کی بڑی خواہشوں کی کشتی جیسے ڈوب گئی ترنگوں
کی پُر زور میں بہتی ہوئی نہ معلوم کہاں جانے لگی — خوفناک مصیبت — کوئی پناہ دینے
والا نہیں۔ اندُومتی چونک کر رونے لگی پکارا — پرمیشور! — پرمیشور!!
پکارتے پکارتے غش کھا کر نربیدرناتھ کے قدموں میں پڑ گئی۔ نربیدرناتھ نے غصہ میں
اُس سونے کی مورتی کو زور زور سے پاؤں تلے روند ڈالا۔ اندُومتی مٹی کے روڑے کی طرح
زمین پر ڈھلکنے لگی۔ نربیدرناتھ یہ نظارہ دیر تک نہ دیکھ سکے۔ آنکھیں آبگوں ہو گئیں اور
نگاہوں سے دُھوئیں میں لت پت کمل جیسے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ دیکھا وہی گوری
گوری پیشانی۔ وہ محرابی ابروئیں۔ وہی کالی کالی دل کو پھنسانے والی زلفیں۔ وہی موسم
بسنت کے گلاب کی طرح شگفتہ رُخسار اور پھر دیکھا۔ وہی سادگی۔ وہی دلکشی۔ وہی

[illegible]
یاقوتی لبوں میں محبت کی شہد کا چھتّا لگا ہُوا تھا۔

نریندرناتھ نے پاگلوں کی طرح اُن ہونٹوں کو چوم لیا۔ اور اندومتی کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اُس کے بعد کتنی ہی باتیں کرنے لگے۔ اندو! تو میرے کتنے آدر کی چیز ہے۔ کتنی محبت کی شے ہے۔ میری خوشیوں کی جوہر محبت کا سرمایہ۔ میرے باغیچہ کی کوئل ---! کیوں اسے پنجرے میں پالا! کیوں اُس سے پریم پیدا کیا؟ ایسی پاکیزہ مورتی کے درشن سے کیوں اتنے دنوں تک محروم رہا؟

یہ سوچتے سوچتے پرتول کے خط کی بات یاد آگئی۔ پاگلوں کی طرح چلّا کر کہا۔ "اچھا! ابھی تک بھی وشواس گھات ... میں گھر کو اپنی ناپاک ہستی سے پاک کر!"

یہ کہہ کر نریندرناتھ نے اپنی گود سے اندومتی کو زمین پر دھکا دیکر گرا دیا۔ اور پرتول کے خط کو زور سے اندومتی کے جسم پر مارا۔ اور فوراً کمرے سے باہر نکل گئے۔

سترھواں باب

تیاگ

اندومتی کا غش ٹوٹا۔ دیکھا نریندرناتھ خوابگاہ میں نہیں ہیں۔ صرف ایک خط پڑا ہُوا تھا۔ اندومتی نے اُسے نریندرناتھ کا خط سمجھ کر اُٹھا لیا۔ پڑھا۔ پڑھ کر معلوم ہُوا نریندرناتھ کا نہیں ہے۔ نفرت سے اُسے دور پھینک دیا۔ اُسوقت نریندرناتھ کے غصّہ کا سبب سمجھ میں آیا۔ سمجھ کر کیا ہُوا؟ اور کیا ہوگا؟ سینہ شق ہو کر دو ٹکڑے ہونے لگا تمام جسم میں جیسے کانٹے پڑ گئے۔ اندومتی کی بڑی بڑی آنکھیں برسات کے جھیل کی طرح آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

اُسوقت اندومتی نے سوچا۔ اُنھوں نے میرا اعتبار نہیں کیا --- کلنک تصوّر کیا ہے۔ ایسی حالت میں اب یہ منھ کس طرح دکھاؤں گی؟ دیوتا کو دُکھ پہنچانے کے لئے میرا جنم نہیں ہُوا۔ میرے جیتے جی اس پاک خاندان میں داغ لگیگا۔ لوگ لاج کے خوف سے ...

نفرت سے مجھے ہاتھ تک نہیں لگائینگے۔ اگر دیوتا کے پوتر چرنوں کی پوجا ہی نہیں کر سکتی۔ تو پران رکھنے سے فائدہ ہی کیا؟ لہذا یہ پران تیاگ کروں گی۔ دُنیا میں اب کسی کو منھ نہ دکھاؤنگی جس منھ کے دیکھنے سے شوہر کے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ منہ کیا دکھانا چاہئے؟ مگر دکھ یہی ہے۔ کہ اُنہوں نے مجھے بلا قصور تیاگ کیا ہے۔ وشواس گھاتنی۔ اور راکشسی کہہ کر مجھے پاؤں سے ٹھکرایا ہے معلوم ہوتا ہے۔ اندومتی نے ترینیدرناتھ کی آخری بات سُن لی تھی۔

یوں سوچتے سوچتے اندومتی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار گنگا کے بہاؤ کی طرح رواں ہوئی۔ پھر سوچنے لگی۔ میں تمام دُکھ اور تمام تکالیف برداشت کر سکتی ہوں۔ مگر بلا قصور دُکھ کیونکر سہ سکونگی۔ ہائے! اس ابھاگنی کو کیوں موت نہ آئی؟ موت آجاتی تو تمام دکھوں سے نجات پاجاتی۔ میرے نصیب میں آگ لگی ہے۔ ایسے جلے نصیب کس کے ہوں گے؟ ایسا شوہر پاؤں گی۔ پچھلے جنم کے کرموں کے پھل سے پایا تھا۔ بدقسمتی سے سُکھ کے راستہ میں کانٹا آگیا میں بھکارنی! میری قسمت رانیوں کی طرح کیونکر ہوگی؟ اس دُکھ سے تو مجھے موت ہی اچھی تھی۔

بہتیرے اسی طرح دُکھ کے تیروں کا نشانہ بن کر موت کو پکارتے ہیں۔ مگر کتنے مرتے ہیں؟ اگر اُس کے بس کی بات ہوتی تو اندومتی بھی مرجاتی۔ ضرور مرجاتی۔ اندومتی کا دل اس وقت نہایت ہی پُر استقلال تھا۔ نہ رونا تھا۔ اور نہ ہنسی! نہ رنج۔ نہ خوشی۔ وہ جڑ کی طرح سخت ہوگئی تھی۔ وہ مسرّت آمیز لہجہ میں دل ہی دل میں کہنے لگی "ناتھ! تم نے مجھے بلا قصور تیاگ کیا ہے۔ اچھا ہوا۔ تمہیں دُکھ پہنچانے کے لئے اب میں نہیں ٹھہروں گی۔ لیکن اگر اس داسی کی عصمت اس جنم میں خواہ دوسرے جنم میں یا ہزاروں جنموں میں صحیح ثابت ہو۔ تو دیا کر کے پھر اس داسی کو قبول کرنا۔ دل میں بڑی اُمید تھی کہ جاتے وقت تمہارا وہی ہنس مکھ چہرہ اور وہ تسکین دینے والی پیاری پیاری ہنسی ایکبار ضرور دیکھوں گی۔ مگر بدقسمتی نے اُس سے بھی محروم کر دیا۔ یہی دُکھ ہے"۔

یہ کہکر اندومتی نے تمام قیمتی زیورات و جواہرات۔ ایک ایک کر کے اُتار کر پھینک دیئے۔

ہاتوں میں صرف دو چوڑیاں رہ گئیں اور ایک سفید ساڑھی پہن لی اور نریندرناتھ کی سلامتی
[illegible] ماتگنے لگی۔
دُکھ درد کی ستائی ہوئی اندومتی نے نریندرناتھ کا مکان چھوڑا۔

اٹھارھواں باب

تمام محل میں کہرام مچ گیا۔ کہ اندومتی گھر میں نہیں ہے۔ شیل بالا بھی نہیں۔ دونوں میں ایک بھی نہیں۔ مالکن نے ایک ایک کمرا کرکے تمام مکان چھان مارا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ دو ستر چلاتی تھیں۔ اور روتی چلاتی تھیں۔ رائے مہاشے بدحواسی سے بار بار اندر جاتے تھے۔ اور باہر آتے تھے۔ کشیترمتی۔ چنتامتی۔ رام متی۔ راج متی۔ سکھی منی وغیرہ اندر کے محلوں میں تلاش کرتے کرتے ہار گئیں مگر کسی نے اندومتی یا شیل بالا کو نہیں پایا۔
رائے مہاشے کا تمام عملہ گانوں کے کونے کونے میں اندومتی کی تلاش کر رہا تھا۔ رائے مہاشے نے تمام گانوں میں منادی کرادی۔ کہ جو اندومتی کا پتہ لگالے۔ یا اس کے متعلق کوئی خبر سنائیگا۔ اُسے معقول انعام ملیگا۔ نوکروں کے درمیان اندومتی کے متعلق بات چیت ہونے لگی گانوں کے کسانوں نے خوش ہو کر اپنا اپنا ہل رکھدئے۔ اور اندومتی کی تلاش میں نکلے۔ اُن لوگوں میں سے کوئی اندومتی نہیں پہچانتا تھا۔ وہ کیسے کامیاب ہو سکے۔ تعجب ہوتا ہے۔
محلہ کی بہوئیں مندروں میں تلاش کرنے لگیں۔ اُنہیں پورا پورا یقین تھا۔ کہ اندومتی مل جائیگی۔ اور ہمیں انعام ملیگا۔ بہوؤں میں بعض بعض سوچتی تھیں۔ اگر اندومتی مل گئی۔ تو وہ اپنی بڑی بہن کے بڑے لڑکے کے لئے ایک چینی کی گڑیا خرید دینگی۔
لڑکیوں نے بھی سوچا۔ اگر کہیں اندومتی مل جائے۔ تو وہ اپنی سکھی کو ایک جوڑا کشمیری چوڑی کا خرید دینگی۔ مگر اُن میں سے کسی کے نصیب میں انعام نہیں تھا۔ اسوجہ بہوئیں اور لڑکیاں بہت دُکھی ہوئیں۔ ہم کہتے ہیں۔ اس رنج سے کیا فائدہ؟ اپنے اپنے تیل اور سیندور کے بکس سے دو چار پیسے نکال کر اپنے اپنے دل کا حوصلہ پورا کریں۔ اس سے اپنی

آتم مریاد ابھی ہے - کیا یہ اچھی صلاح نہیں ؟
گانوں میں اندومتی کے بھاگنے کی خبر مشہور ہو گئی۔ نیچ ذات کی کتنی ہی عورتیں پانی کا گھڑا سر پر رکھے ہوئے پانی لے جا رہی تھیں۔ انہوں نے بھی یہ خبر سنی۔ راستہ میں ایک نے دوسری سے کہا۔ دیدی! کچھ سنا۔ رائے صاحب کے گھر کی بہو بھاگ گئی !
اس نے متحیر ہو کر کہا۔ کیا بہن کیا - ؟ تو نے کس کے منھ سے سنا !
ایک تیسری عورت نے منھ ٹیڑھا کر کے نتھ گھما کر اپنی خودداری شوہر پرستی کا اظہار کرتے ہوئے بولی — جا بہن جا۔ وہ بات نہ کر۔ میں ہوتی تو گلے میں پھانسی لگا کر مر جاتی۔ ایسے گھر کی بہو
اس کے بعد پہلی نے دوسری کے کان میں نہ معلوم کیا کیا کہا۔ عورتوں کا سبھاؤ — بات بنتے ہو یا نہیں تل کو تاڑ کر دیتی ہیں۔ سچ پوچھئے تو جیسا ان کا سر پھٹتا ہے۔ ان عورتوں سے بھی جہاں تک ہو سکا۔ انہوں نے جھوٹ سچ کہنے میں غفلت نہ کی۔
اس وقت دوسری عورت نے تحیرانہ انداز سے کہا۔ چھی چھی! کہیں عورتیں بھی ایسا کام کرتی ہیں بہن! تو نے کیسے جانا!
تیسری عورت: کیوں! کل رات کو انھوں نے کہا تھا۔ بہن! بڑے گھر کی بہو ہونے سے کیا ہوتا ہے! سبھاؤ میں کچھ تبدیلی تھوڑا ہی آ جاتی ہے۔
جس کا جیسا سبھاؤ ہوتا ہے۔ اس کے ویسے ہی کام بھی ہوتے ہیں۔ نہ معلوم کہاں سے زمیندار بابو بہو لے آئے تھے۔ زمیندار آدمی جو کرے۔ وہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بڑوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ ہم لوگوں ہوتا تو آج ہی ہمارا ہارت مچ جاتا۔ کہیں منھ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہتے۔
اس قسم کی بہتیری باتیں کرتے کرتے اور مضحکہ اڑاتے اڑاتے عورتیں اپنے اپنے گھر گئیں شوہر کی دہائی دیکر عورتوں نے جو کہا۔ ان کے مردوں کو یہ سب کچھ نہیں معلوم تھا۔ یا بولے نہیں۔ دوسری عورتوں کو یقین دلانے کے لئے شوہر کی دہائی دی اے عورتو! تمہاری عقل پر آفرین ہے۔
یکایک یہ خبر مشہور ہو گئی — بہو آتی ہے۔ "بہو آتی ہے" سب کی زبان پر یہی ایک بات

تھی۔ بہو آتی ہے۔ رائے جہانشے یہ خبر سُنکر گھبرائے ہوئے جلدی سے محل کے صدر دروازے پر آ گئے۔ اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ مگر نہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ کچھ دیر بعد دیکھا۔ ایک پالکی کے پیچھے پیچھے ایک شخص تیزی سے دوڑا آ رہا ہے۔ رائے جہانشے نے اُس وقت سوچا۔ کہ اسی پالکی میں بہو آ رہی ہے۔ نوکر نے بھی یہی کہا۔ اور سب بے صبری سے پالکی کا انتظار کرنے لگے۔ سب خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔

دیکھتے دیکھتے پالکی صدر راستہ سے دوسرے راستہ پر چلی گئی۔ پالکی کے ساتھ والے شخص سے ایک نوکر نے پوچھا۔ تم کہاں جاؤ گے؟ اُس نے جواب دیا۔ ماں سخت بیمار ہے۔ اسی سبب سے سسرال سے بیوی کو لے کر آ رہا ہوں۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ پالکی والے رائے جہانشے کا گھر نہیں پہچانتے۔ اسی وجہ سے دوسرے راستہ لئے جا رہے ہیں۔ مگر یہ جواب سُنکر تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ رائے جہانشے کا چہرہ اُتر گیا۔

اُسی جگہ کتنے ہی بچے کھڑے تھے۔ جب دیکھا۔ کہ یہ بہو رائے جہانشے کے گھر کی نہیں ہے تو لڑکوں کا وہ گروہ پالکی کے پیچھے پیچھے دوڑا اور تالیاں بجاتے بجاتے جو جس کے منہ میں آیا کہنے لگا۔ کسی کسی نے یہ کہنا شروع کیا۔

پاگل باپ اور پاگل پوت۔ یہ دونوں ہیں جم کے دُوت

کسی کسی نے کہا۔ کہیں راستہ تو نہیں بھول گئے۔ رائے جہانشے کا یہی مکان ہے۔

بعض بچوں نے پالکی کے کہاروں سے مخاطب ہو کر کہا: چور ہو گئے کہ ٹھٹک کر۔ بہو کو لاؤ ہمارے گھر ادھر خیر مقدم کرنے والے سب کے سب مایوس ہو کر مکان میں پھرنے لگے۔ کسی نے اندومتی یا شیل بالا کا پتہ نہیں پایا۔ پتہ لگانا تو درکنار۔ اُس کے متعلق کوئی معمولی خبر بھی نہیں ملی۔ رائے جہانشے یہ سُنکر مایوسانہ انداز سے بیٹھے ہوئے فکر میں غوطہ زن ہو گئے۔

اُنیسواں باب ۱۹

خالی مکان میں!

نریندر ناتھ نے اندومتی کے جانے کے بعد دس پندرہ دن تک خوابگاہ میں نہیں گئے۔ نہ

[illegible] کر آرک گئے۔ وہاں پہنچکر بہت دیر تک وہ روتے رہے۔ اس کے بعد اندو
متی کی جتنی پیاری پیاری چیزیں تھیں۔ سب کو توڑنے پھوڑنے لگے۔ اندومتی کے پاس
ایک سونے کا گلوری دان تھا۔ نریندر ناتھ نے اُسے بھی پٹک کر توڑ دیا۔ اُس کے بعد اندو
کا آئینہ۔ کنگھی تیل کی شیشی۔ کانچ کا گلاس۔ رکابی ایک ایک کرکے سب توڑ پھوڑ دیں
اس کے بعد اندومتی نے اُن سے جو دو بار کی تصویریں تیار کی تھیں۔ وہ اُٹھائیں۔ ان
دونوں پر سنہری فریم تھا۔ وہ بھی توڑ ڈالا۔ اُس پر لکھا تھا "میرے آسمان دل [illegible]
نریندر ناتھ رائے کو بطور تحفۂ محبت پیش کرتی ہوں۔ اندومتی"
اُنہوں نے اُس تصویر اور عبارت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنے چاہے۔ مگر ناکامیاب رہے
پھر [illegible] نے پاؤں تلے روندنا شروع کیا۔ نریندر ناتھ یہ کیسی حرکت کر رہے تھے۔ چھی!
اس کے بعد نریندر ناتھ جس پلنگ پر سوتے تھے۔ اُسے بھی الٹ دیا۔ اور بیٹھ کر سوچنے
لگے پہلے سوچا۔ اندومتی وہ محبت کے رس میں ڈوبی ہوئی دل پر کیسا اثر ڈالتی تھیں
پھر سوچنے لگے ہائے! میں نے اُس رتن کی قدر کیوں نہ کی؟ نظر رکھتے ہوئے بھی میں نے
ناقدردانی کے ہاتوں اُس گراں قدر جواہر کو خاک میں ملا دیا۔ میں بندر ہوں جواہر کی قدر
کیا جانوں؟ اندومتی جاتے ہوئے مجھے لطیفہ دیکھنے کے لئے کس قدر روتی چلاتی تھی
[illegible] روتے [illegible] اُس کی آنکھیں کس قدر سُرخ [illegible] تھیں میں سنگدل ہوں۔ [illegible]
[illegible] تمیز کی [illegible] نہیں [illegible] ساتھ سورگ کی دیوی کا پاپ
کیوں ہوگا؟

یہ سوچ کر نریندر ناتھ یکایک برقی رفتار سے [illegible] ہوئے۔ اور دل ہی دل میں
آہستہ آہستہ کہنے لگے میں نے اندومتی کو پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ غیر ممکن ہے۔ ابھی میں
اس قدر سنگدل نہیں ہوا۔ ہوا تھا۔ مگر کب؟ جب اندومتی کو گھر سے باہر نکالا تھا۔ اُس وقت
میری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں [illegible] سکتا ہوں۔ چوری۔ رہزنی۔ خون دُنیا
کا سب سے زیادہ پاپ اور نہایت ہی [illegible] کام۔ غرض مجھ سے تمام ہو سکتے ہیں
جس نے بُرے بھلے کی تمیز نہیں۔ وہ کیا نہ [illegible] ہے کیسے دُکھ کی بات۔ ہے میرا دل

خالی یوں معلوم ہوتا ہے۔ اندر سے گھر [illegible] رہتے ہوئے بھی جیسے کوئی نہیں رہتا۔ اسی طرح میرے دل کی بھی حالت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میرا کچھ کھو گیا ہے۔ جس کی طاقت سے اتنے دنوں تک طاقتور تھا۔ اب [illegible] شکستہ دل [illegible] ہوں۔ اس کے رہتے ہوئے بھی شاید اسقدر دل میں ہلچل نہ مچتی۔ پرانی [illegible] اس نہ ہوتا۔ اس گھر میں کیا تھا؟ اب کیا ہوگیا؟ اندومتی کے گھر چھوڑنے کے ساتھ ہی گھر بھی جیسے ناپاک ہوگیا۔ جس کی دولت سے اگر اس نے پرواہ نہ کی۔ تو کون کرے گا؟ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ مگر پھر بھی اپنا اپنا ہی ہے۔

اسوقت نریندر ناتھ بے چینی سے کھڑکی کے پاس آکر آسمان کیطرف دیکھنے لگے۔ دیکھا چاند نہیں نکلا۔ ستارے بھی نہیں نکلے۔ تاریک رات تھی۔ نریندر ناتھ کو تاریکی کی وجہ سے درخت، پھل، پھول اور پتے کچھ نظر نہیں آئے۔ رات کی تاریکی میں پھولوں کی خوشبو اور ان کے پرلطف نظاروں کی بہار لوٹتے ——— اندو کی انگلی پکڑ کر اس کے ساتھ ٹہلنے اور آپس میں ہنسی مذاق۔ چہل و دل لگی کی کتنی ہی باتیں کرتے۔ مگر اس کی عدم موجودگی میں سب کچھ ناپید ہوگیا۔ آج نریندر کے دل میں خوشی کا قطعی نام ونشان نہیں تھا۔ ایک عہد گذشتہ کی یاد نے ان کے دل پر ایک زبردست چرکہ لگایا۔ نریندر ناتھ نے۔ دیکھ کر، سنکر، سوچکر دل ہی دل میں طے کیا۔ کہ اندومتی کو سب ہی پیار کرتے ہیں۔ اس کی جدائی میں بھی دنیا ماتمی لباس سے ملبوس ہے ——— اس جیسا کوئی نہیں۔

ہے صرف ——— نریندر ناتھ!!

۲۰ بیسواں باب

خط

تارا کانت نریندر ناتھ کے پڑوسی اور جاں نثار دوست تھے۔ ان دونوں پر دو قالب اور ایک جان کا مسئلہ صادق آتا تھا۔ صبح اٹھ کر تارا کانت کے نوکر نے انہیں ایک خط دیا۔ تارا کانت نریندر ناتھ کا خط پہچانتے تھے۔ خط دیکھتے ہی انہوں نے پہچان لیا

ہتنے سویرے اُن کا خط کیوں آیا؟ تارا کانت بہت گھبرائے۔ جلدی سے پڑھنے لگے

تارا کانت!

خواہش تھی تم سے دو چار باتیں کہتا جاؤں گا۔ مگر ایسا موقع نہیں ملا۔ کاش! ملتا تو کیا تم مجھے کبھی آنے دیتے۔ تمہاری آنکھوں سے جمنا کی دھار بہتے دیکھ کر اور تمہیں ٹھنڈی ٹھنڈی سانس لیتے دیکھ کر۔ کیا میں کبھی ادھر کا رُخ کر سکتا تھا؟ کبھی نہیں۔ تم کہو گے میرا دل پتھر کا ہے۔ اور اس میں شک ہی کیا ہے؟ میں اسوقت پتھر سے کہیں زیادہ سخت دل بن گیا ہوں؟ اس دُنیا میں انسان کی شناخت بہت مشکل ہے۔ کون کیا دیکھتا ہے اور کیا سمجھتا ہے؟

اُس کی نسبت کیا کچھ کہا جا سکتا ہے۔ کون کہتا ہے۔ کہ انسان دیوتا ہے؟ انسان راکھشس ہے ایسا دُنیا میں کوئی کام نہیں۔ جو یہ راکھشس نہ کرے۔ ورنہ باپ کے سمندر میں شرابور گورمتی بُرا بھلا سمجھا کر میرے سُکھ کے بسر ہونیوالی زندگی کا شیرازہ منتشر کر دیتی۔ تقریباً ایک مہینہ ہُوا۔ تم نے پرتول کی خصومت کے مختلف ثبوت دیئے تھے۔۔۔ اور دکھائے تھے۔ ایسا بُرے کام کے مرتکب ہو کر ہی گورمتی و پرتول دیس تیاگی ہوئے تھے۔ اس کا بھی پورا پورا ثبوت دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اب سمجھ میں آیا میری غلطیوں اور قصور سے ہی اندومتی نے گھر چھوڑا!۔

بھائی! اس وقت اُس ہیبتناک وقت کی بات یاد آنے سے تمام جسم میں جیسے زہر سرایت کر جاتا ہے۔ جس کی محبت کا فرحت اثر اور خوشگوار رس پی کر مجھ میں از سر نو جان آگئی تھی جس نے اس خانۂ تاریک میں اپنے نُور سے نُور کی بارش کی تھی۔ ہائے! اُس بے گناہ اندومتی کو پاؤں سے ٹھکرا کر اسوقت ماؤں؟ دل سے طرح طرح کی تکالیفیں اُٹھا رہا ہوں۔ اس وقت میرے دل میں وہ سُکھ نہیں۔ وہ لطف نہیں۔ پہلے کچھ نہیں۔ اگر کچھ ہے۔ تو وہ رنج وغم کی دھدکتی ہوئی آگ۔ تارا کانت! یہ آگ کس زور سے جل رہی ہے۔ اس کی نسبت تم سے کیا کہوں؟ اگر دل کو چیر کر دکھا سکتا۔ تو دکھا دیتا۔

اس دُنیا میں اگر کچھ سُکھ ہے۔ تو وہ عورت کا پیار و محبت! اس کے رُو برُو سُرگ کا سُکھ بھی

ہیچ ہے۔ دُکھ کی آگ میں جسوقت دل جلنے لگتا ہے جس وقت دل الم کے بحر بیکراں میں غوطے لگاتا ہے۔ اس وقت اگر بیوی کی محبت کا پر لطف نظارہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔ تو دم کے دم میں یہ رنج و غم دور ہو جاتے ہیں اور دل خوشی سے بھرپور ہو جائے۔ دُنیا کا سُکھ اس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ شادی کرنے سے ان سب باتوں کا پتہ لگتا ہے۔ بدھاتا کی سرشٹی میں کتنی سُکھ کی چیزیں اور کتنی ہی دلفریب اشیا ہیں۔ ان کی کمی نہیں ہے۔ مگر ان سب میں اب مجھے ذرا بھی دلبستگی نہیں رہی۔ اور نہ وہ مجھے سُکھ دے سکتی ہیں۔ میرا دل مغموم و مایوس ہے۔ کچھ اچھا نہیں لگتا۔ سمجھتا ہوں۔ کہ دُنیا میں عورت ہی شانتی دینے والی ہے۔ مگر سمجھ بُوجھ کر بھی کیا کیا؟ بغیر قصور ناکردہ گناہ۔ پیار و محبت کی وہ شے۔ جسے مٹی میں رکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ہائے اُس جان سے زیادہ عزیز اندومتی کو جنم بھر کے لئے کھو دیا۔ پھر اب سُکھ کی کیا اُمید کروں؟ اندومتی کے ساتھ ساتھ ہی میرا سُکھ چلا گیا۔ اس وقت میں اسی سُکھ کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اگر پاؤں گا تو واپس آؤں گا۔ ورنہ اس خط کو دیکھ کر ہی کبھی کبھی مجھے یاد کر لینا۔

اور ایک بات ہے۔ خالی پنجرا رکھنے سے کیا فائدہ؟ اگر چڑیا ہو۔ تو وہی پنجرے کی خوبصورتی اور زینت ہے پرند کے پرواز کرتے ہی پنجرے کی قدر جاتی رہتی ہے۔ میری بھی یہی حالت ہوئی ہے۔ اندومتی کے لئے اتنے دنوں تک جو جسم تھا۔ وہ آج اندومتی کے بغیر بے رونق کیوں نہ ہو؟ جب یہ حال ہے۔ تو پھر اس جسم کو رکھنے کی ضرورت ہی کیا؟ کس لئے اب اس جسم کی قدر کروں؟ اگر اندومتی گھر میں ہوتی۔ تو مجھے موت کی خواہش نہ ہوتی۔ اُس وقت سوچتا کہ مرنے کے بعد تو اندومتی کا چاند جیسا مکھڑا نہیں دیکھ سکوں گا۔ اندومتی کو بھی سخت دُکھ ہو گا۔ مگر اسوقت تہیّہ کیا ہے۔ پانی میں، دُھوپ میں۔ بھوکوں مر مر کر غرض جس طرح ہو سکا۔ اس قالب خاکی سے علیحدگی اختیار کروں گا۔ بے جان جسم کی تکالیف اب برداشت نہیں کر سکتا۔

سچی بات تو یہ ہے۔ کہ دُنیا کی کوئی چیز مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ سب ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے ان میں جان نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ تم پھولوں سے لدی ہوئی شاخ دیکھ کر

مفتون [illegible] رات کے آخری حصّہ میں سوتے ہوا پینا چونک کر "بہوا ت کہو" کیا نہایت دلدوز مگر سریلا [illegible] اور تم اُس میں محو ہو جاؤ۔ یا نیم خوابی میں کسی جگہ [illegible] میں ڈوبی ہوئی کوئل کی سی دلکش آواز سُنکر بیخود ہو جاؤ۔ مگر بھائی! اس وقت ان سب میں مجھے کوئی تسکین نظر نہیں آتا۔ سب مجھے زہر کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ خواہش ہوتی ہے کہ جہاں یہ سب نظارے ہوں میں وہاں سے کسی غیر آباد مقام میں چلا جاؤں۔ مگر میں جاہل مطلق ہوں۔ کہاں جاؤں گا؟ میرے لئے کہاں جگہ ہے؟

اور ایک دُکھ ہے۔ دُنیا چھوڑ کر انسان کہاں جا سکتا ہے۔ اس لئے جہاں جاؤں گا۔ اُسی جگہ اندومتی کے پیار کی کتنی ہی چیزیں دیکھنے میں آئینگی۔ اندومتی جن چیزوں کو بہت پیار کرتی تھی۔ اُنھیں دیکھ کر سینہ شق ہو جاتا ہے۔ میری اندومتی۔ جوہی۔ بیلا۔ چمیلی۔ چمپا۔ گلاب۔ مولسری وغیرہ پھولوں چاندنی نکھرتی ہوئی روشنی میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی بھائی! بتاؤ۔ ان سب نظاروں کو اب میں کن آنکھوں سے دیکھوں گا؟ پھولوں سے [illegible] کر سکتا ہوں۔ مگر آسمان میں چاند طلوع ہوگا۔ تو کہاں بھاگ کر جاؤنگا۔ [illegible] دیکھ کر کیسے رہ سکوں گا۔ اسی وجہ سے کہتا ہوں۔ کہ دُنیا چھوڑ کر انسان کہاں جا سکتا ہے۔ اُمید کرتا ہوں۔ کہ تم مجھے کوئی ایسا راستہ بتاؤ گے۔ جس سے اس بےچین دل کو کسی قدر تسکین ہو۔ میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ تمہارے سوا اسوقت اور میرا کوئی نہیں ہے۔ اس بدنصیب کو نہ بھولنا۔

تمہارا ـــــ بدنصیب

نریندر ناتھ۔

یہ خطرات کو ہی نریندر ناتھ خود تارا کانت کے ذکر کو [illegible] گئے تھے۔

اکیسواں باب ۲۱

سکھی! اور نہیں

رات تاریک تھی۔ ہر چہار طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا آسمان پر بادلوں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ بہت جلد بارش ہوگی

[illegible]

ایسے وقت میں بھکاری کی اندومتی گھر چھوڑ کر چلی۔ گھر سے باہر قدم رکھتے ہوئے ہی اندومتی کی بیچینی کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ہوا چلنے لگی۔ [illegible] اندومتی نے اسوقت پاگلوں کی طرح قدم بڑھائے۔ [illegible] ہوگا؟ دیکھتے دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ اندو بیکسی کی حالت میں رونے لگی۔ بارش کے پانی کے ساتھ ہی اندومتی کی آنکھوں کے آنسو بھی مل گئے۔

اسوقت نہایت ہی پاکیزہ صفات اندومتی مایوس ہوکر گمراہ مسافر کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کس راستہ سے کسطرف جائیگی؟ اس کا کوئی فیصلہ نہ کر سکی گھوم پھر کر بار بار اسی جگہ آنے لگی۔ تاریکی میں ڈوبی ہوئی دنیا دیکھ کر اندومتی کوئی راستہ [illegible] وہ راستہ بھی نہیں جانتی تھی۔ کیونکہ اس نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ کچھ دیر بعد طوفان رکا۔ پانی بند ہوا۔ صرف رہ رہ کر بجلی چمکنے لگی۔ اندومتی کی جہانتک [illegible] تھی وہاں تک بجلی چمکنے [illegible] آتی تھی۔ ٹھوکریں کھاتی کھاتی گاؤں سے باہر ہوئی۔

گاؤں کے باہر ہی ایک وسیع میدان تھا۔ اس میں تال کے سربفلک درخت تھے۔ وہ اپنا سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کا سایہ دیکھ کر اندومتی کے دل میں خوف پیدا ہوا مگر اس خوف کو ہیچ سمجھ کر نرنیدرناتھ کا نام لیتے لیتے میدان طے کیا۔ اور دو کوس آگے نکل گئی۔ تکان سے چور چور ہوکر اندومتی زمین پر ہی لیٹ رہی۔

اس وقت آندھی پانی رک گیا تھا۔ بجلی کی چمک نہیں دکھائی دیتی تھی۔ چاند نکل رہا تھا [illegible] کی بارش سے صفحۂ عالم نکھر آیا تھا۔ چاند کی نکھری ہوئی روشنی میں اندومتی کو رفتہ رفتہ ایک باغ نظر آیا۔ سوچا۔ کہ باغ میں بیٹھ کر ذرا دم لونگی۔ یہ سوچ کر وہ اسی باغ کی طرف چلی۔ آہستہ آہستہ وہ باغ میں داخل ہوئی۔ دیکھا باغ کے وسط میں ایک بڑا تالاب ہے۔ چاروں طرف پختہ گھاٹ ہیں۔ [illegible] کی طرح صاف شفاف تھا۔ یہ تالاب بہت پرانا تھا۔ بیچ بیچ میں سرخ کمل کے کتنے ہی درخت تھے۔ شگفتہ کمل کی روشنی نکھر کر نوخیز نازنین کے دلآویز تبسم کی طرح نظر آرہے تھے۔ اندومتی یہ پر لطف نظارہ

دیکھ کر وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی۔ ایک گھاٹ کے زینہ سے اُترنے لگی۔ تیئوں ؟ تیئیں جانے۔ ایک دو کرکے تقریباً بیس پچیس زینے اُتر پانی کے پاس پہنچی۔ بعد ازاں بیٹھے بیٹھے پانی کو متوجہ میں لاتے ہوئے خود بخود نہ معلوم کیا کہنے لگی۔ رفتہ رفتہ اپنے دونوں پاؤں پانی میں ڈالے۔ پانی کے اندر اُن خوبصورت پاؤں کا حسن بادلوں سے گھرے ہوئے چاند کی طرح ایک پُر لطف نظارہ کا سماں دکھانے لگا۔ اندومتی بیخوفی سے آہستہ آہستہ گلے تک پانی میں پہنچی۔ اور دیر تک نہ معلوم کیا سوچ کر اُس میں ڈوبی کھڑی رہی مگر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی۔ سانس پھولنے لگا۔ اور گلا بھر آیا ــــ اندو! کیا تم مرجا رہی ہو؟ پانی میں کیا اسی طرح ڈوبنا ہوتا ہے؟ تم مرنا نہیں جانتیں۔ پھر مرنے کیوں آئیں؟ گھر لوٹ جاؤ۔

اندومتی نے ہماری بات نہیں سُنی۔ مرنے کا پختہ ارادہ کرکے وہ اتھاہ پانی میں جانے لگی۔ یکایک [illegible] راگ کا [illegible] سُنائی دیا۔ اُس پار سے نہ معلوم کون گا رہا تھا۔

پریم سندھو میں لہر اُٹھت ہے کوئی سدھ بدھ نہ جائی
بھنور بھنور میں لہر لہر ہے ڈوبت نہ کوئی ترائی
شیام تمہیں کیوٹ ہو جا تر ڈوبت ہیو بچائی
ترن [illegible] تا ہیں ہم تمہرے شرنائی
تیراہ تیراہ کر چلن بڑی ہوں لے لے نام تمہارا
نس دن بلیہی مت ماہیں دو اب اپنا سہارا

اُس راگ میں کیسے کیسے جذبات پنہاں تھے۔ گویا نغمے دل میں لہریں اُٹھتی تھیں۔ اور پھر فنا ہو کر پانی میں ہم رنگ ہو جاتی تھیں۔ ان کا اتصال اور میلاپ ایک ایسا نظارہ پیش کر رہا تھا جس سے دل پر حقیقت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ جسم کے ایک ایک عضو پہ وہی ترانہ سُنائی دینے لگا۔ سازِ دل کے تمام تار جھنجھنا اُٹھے۔

شرمندہ تھی اور کچھ نہ کہہ سکی ۔ وغیرہ ۔

ہوئی۔ شیل بالا نے پھر کہا۔ سکھی بتا کیا ہوا؟

اندومتی نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ وہ صرف روتی رہی۔ شیل بالا نے اندومتی کی یہ حالت بیتابانہ انداز سے کہا۔ سکھی تو کچھ کہتی کیوں نہیں؟

اس مرتبہ اندومتی نے اپنے آپ پر جبر کر کے کہا۔ سکھی! جی جلتا ہے۔ اس لئے روتی ہوں۔ مرنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملی۔ اسی لئے یہاں آئی ہوں۔

شیل بالا نے گھبرا کر کہا۔ چھی! سکھی چھی! کوئی ایسی بات بھی کہتا ہے۔

شیل بالا نے اسوقت اصل حال جاننے کے لئے اندومتی سے اصرار کیا۔ اندومتی اب نہ چھپا سکی۔ روتے روتے تمام داستان بیان کی۔ سنکر شیل بالا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ چھی! اسی لئے مرنے آئی ہے۔ خودکشی گناہِ عظیم ہے۔ سکھی پاپ کا پھل تو بھوگنا پڑیگا۔

اندومتی نے روتے کہا۔ سکھی! جس دُکھ سے میرا دل جل رہا ہے۔ اُس سے تو موت ہزار درجہ بہتر ہے۔ میرے ایسے نصیب کہاں؟ ایسا کوئی پنیہ کا پھل بھی نہیں۔ جس سے پھر شوہر کے قدموں کی سیوا کر سکونگی۔ یہ اُمید موہوم ہے۔

سکھی! سچ ہے۔ ضرور ایک دن اچھا آئیگا۔ مصیبت بہت دنوں تک نہیں رہتی۔

اندومتی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ مجھے اُنھوں نے تیاگ۔ اس کا دُکھ سے رہیں۔ اسی میں مجھے سُکھ اور شانتی ہے۔ اپنے دیوتا کی میں پوجا نہیں کر سکونگی۔ مجھے اسی بات کا دُکھ ہے۔

شیل بالا نے اندومتی کو سمجھاتے بجھاتے کہا۔ سکھی! تمہارے شوہر دیوتا پر کسی کا کوئی ادھکار نہیں اُن کی مورتی کا دھیان تیری رگ رگ میں ہے۔ اس وقت دل میں بٹھا کر بھگتی بھاؤ سے اُن کی پوجا کر۔ اگر اس جنم میں نہ پایا۔ تو اگلے جنم میں ضرور پائیگی۔ سکھی پھر تجھے اور کچھ سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟

اندومتی خاموش ہو گئی۔

پانی میں دیر تک رہنے کی وجہ سے اندومتی کے تمام کپڑے تربتر ہو گئے تھے۔ اور وہ سردی سے کانپ رہی تھی۔ شیل بالا نے جلدی جلدی اسے ایک کپڑا دیا۔ معلوم ہوتا ہے

آتے ہوئے شیل بالا پھر وہ کپڑا لینے کے لئے ہی واپس گئی تھی۔ جو ہو اندومتی نے کپڑا پہنا۔ شیل بالا نے پوچھا: سکھی! اسوقت کیا کرینگی؟ چلو دونوں گھر لوٹ چلیں۔
اندومتی نے مضطرب ہوکر رقت آمیز لہجہ میں کہا: سکھی اب وہ بات نہ کہو۔ اُس راستہ میں کانٹا بچھ گیا۔ اب وہ کیا یہ بدنصیب منھ دیکھینگے؟

شیل بالا:- کیوں؟ سکھی!

اندومتی:- تم سے سب تو کہہ چکی ہوں۔

اندومتی نے اور کوئی بات نہیں کہی۔ دل ہی دل میں سوچا واپس جانے کی کسے خواہش نہیں ہوتی؟ اُس پاک اور پیارے پیارے منھ کو کسے دیکھنے کی خواہش نہیں ہوتی مگر واپس کس طرح ہونگی؟ اور کون منھ دکھاؤں گی؟ یہ نفرت آمیز کلنک کا ٹیکا اس بدنصیب کی پیشانی پر لگا ہے۔ اُس کا خیال آتے ہی زہر کا پیالہ پی لینے کو طبیعت چاہتی ہے۔ اور دل میں آتا ہے۔ یہ جلا ہوا منھ کیونکر لوگوں کو دکھاؤں گی؟ اور کیوں اُن کے دل کو تکلیف پہچانے کے لئے جاؤں گی۔ دھرتی ماتا! تم اپنا سینہ چاک کرو۔ میں اُس میں سما جاؤں۔ تاکہ اس دُکھ درد سے نجات پاؤں۔ پھر سوچا، عورت کو لازم ہے شوہر کے راستہ کو صاف رکھے میں اُس راستہ میں کانٹا ثابت ہوتے کے
جاؤں گی پیاری سکھی! اب گھر نہ جاؤں گی۔ اس وقت میرا مرنا ہی بھلا ہے۔
یہ کہتے کہتے اندومتی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شیل بالا نے سوچا تھا۔ اندومتی کے دل کو کسی قدر تسکین ہونے پر میں اُسے سمجھا بجھا کر گھر واپس لے جاؤں گی۔ لیکن اندومتی کے دل نازک پر لگے ہوئے سخت زخموں کو دیکھ کر اُس کی یہ امید مایوسی سے تبدیل ہوگئی۔ مگر پھر بھی اُس نے خیال کیا کہ ایک مرتبہ اور بھی کوشش کر دیکھوں۔ شاید میں اُسے گھر واپس لیجانے میں کامیاب ہی ہو جاؤں۔ اسی لئے اُس نے کہا: سکھی! چلو۔ اب گھر واپس چلیں۔
اندومتی نے پُر اضطرار لہجہ میں جواب دیا۔ نہیں سکھی! نہیں۔ اب میں ہرگز نہ جاؤنگی۔

بائیسواں باب ۲۲

خط کا جواب

دن بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔ تارا کانت باہر کے کمرے میں تن تنہا ایک دھوتی اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔ اُن کا دل نہایت غمگین اور مُتفکر تھا۔ نریندر ناتھ کا خیال رہ رہ کر انہیں بےچین کئے دیتا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے آنسو! تم کیوں باہر آتے ہو؟ خاموش دل میں رہتے ہوئے۔ کیا تمہیں تکلیف ہوتی ہے؟

یکایک چٹھی رساں آیا۔ اور تارا کانت کے ہات میں ایک خط دے گیا۔ تارا کانت نے پڑھنا شروع کیا۔

کاشی یوگ آشرم

۱۴ر جولائی ۱۹۶۱ء

تارا کانت!

سات دن کی مسلسل کوشش کے بعد کاشی آیا ہوں سوچا تھا یہاں آتے ہی وشو کو دیکھنے جاؤں گا مگر جناب بہتر ہوا میں غیر مکمل ہوں میرے جسم کا آدھا حصہ نہیں ایک آنکھ سے دیکھنے میں کیا فائدہ؟ ایک آنکھ سے دیکھنے پر میں مستقبل دیکھنے کا ضرور خواہشمند ہوں سو وشیشور کیا ہے میری امید پوری کریگی۔ یہاں ایک پنڈت جی ہیں ان کے شیش ہو کر میں اس کی تعلیم حاصل کروں گا۔ اگر وہ عطا کریں گے قلم دوات نہ دیتے۔ تو تجھے خط بھی نہ لکھ سکتا۔ ان سات دنوں میں جس جگہ گیا ہوں شہر گاؤں جنگل۔ غرض۔ جہاں جہاں پھرا ہوں۔ وہاں کہیں بھی اندومتی کا پتہ نہیں چلا۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ مجھ پر احسان کر کے کہیں چھپ رہی ہے۔ نہیں۔ میں غلط کہہ گیا۔ اندو نے مجھ پر احسان نہیں کیا۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ میں نے کبھی اپنے اوپر اندومتی کو احسان کرتے نہیں دیکھا۔ میری آنکھیں نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اُسے نہیں دیکھ پایا۔ میری آنکھوں میں کیا نقص ہو گیا ہے۔ نہیں سمجھ سکتا۔ اگر تمہیں معلوم ہو تو لکھنا۔

آنے سے پہلے ایک خط لکھ آیا تھا۔ امید ہے تمہیں اب تک مل گیا ہوگا۔ اس خط میں میں نے

لینے والی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اسی وقت تمہیں بہت کچھ لکھنے کو طبیعت چاہتی ہے۔ مگر زیادہ لکھ کر تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ میرا دکھ سنکر تم یقیناً آنسو بہاؤ گی۔ اور میں تمہیں دکھی نہیں دیکھنا چاہتا۔

بدنصیب ——— نرمدا

پھر آگے:۔ میرے ماں باپ کی خدمت کرنا۔ تم بھی تو میرے ایک ہی بچے ہو میں ایک شخص کے پاگل ہو جانے سے سب ویسے نہیں ہو جاتے۔ اس دنیا میں باپ بیٹے کے لئے مجسم دیوتا ہے۔ یہ بات تم بھول گئی تھیں۔

تارا کانت نے اس خط کو دو تین بار پڑھا۔ اور ایک گہرا سانس لیا۔ پھر خط کا جواب لکھا:۔

آنند پور

۱۵ جولائی ۱۹۶۱ء

نرمدا!

تمہارا خط ملا۔ پہلا خط بھی پایا تھا۔ تمہاری عدم موجودگی سے ہم سب دکھی ہیں تم نے ہم لوگوں کیسا فیصلہ کیا کر گئے ہو۔ اس کا اظہار اس خط میں کیونکر کر سکوں گا۔ معلوم ہوتا ہے تمہارا دل اسوقت بہت مغموم اور متفکر ہے۔ تم اندومتی کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے اس کی جدائی میں تم دکھی نہ ہو یہ ناممکن ہے۔ گیان نے ثابت کر دیا ہے تم اسقدر مغموم و متفکر ہو۔ تو اندومتی کے ملنے میں اب دیر نہیں ہے۔ دکھ کے بعد ہی سکھ ——— پرارتھنا کرتا ہوں بابا وشوناتھ تمہاری آرزو پوری کریں گے۔ اور ایک بات ہے۔ تم نے وشیشور کے درشن نہیں کئے یہ اچھا نہیں کیا۔ جب وشیشور پر اسقدر وشواس ہے۔ پھر ان کے درشن نہ کرنا بڑی غلطی ہے۔ تم نے ایک پھول کی دو پنکھڑیاں آپس میں ملی ہوئی اکثر دیکھی ہونگی۔ جیسے وہ علیحدہ رہتے ہوئے بھی آپس میں ملی رہتی ہیں۔ اسی طرح تمہارا اور اندومتی کا تعلق ہے اندومتی کا اور تمہارا تعلق صرف اس دنیا کا ہی نہیں۔ بلکہ اگلے جنموں کا ہے۔ کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں رہ سکیگا۔ ایسے یقین سمجھتا ہوں۔

[illegible] وشیشور کے درشن کرو۔ تمہارا آنند پور

وی

ہو گی محبت لافانی شے ہے۔ دُنیا میں اس سے زیادہ قیمتی اور خوبصورت کوئی شے نہیں ہے۔ اس لئے اندومتی کے بغیر اور کوئی شخص تمہاری آنکھوں کا مرض دُور نہیں کر سکتا۔ تمہارے لئے تمہارے ماں باپ کلپ رہے ہیں۔ جیتے جی اُن کی حالت مُردوں سے بدتر ہے۔ اُن کے دل کو تکلیف پہنچانا کیا مناسب ہے؟

مجھے روپیہ بھیجوں کیا؟ پاس کچھ رہنا بہت ضروری ہے۔ سفر میں کتنی ہی مصیبتیں آتی ہیں کچھ تکلیف نہ ہونے پائے۔ صحت کا بہت خیال رکھنا۔ رائے مہاشے نے تمہاری اور اندومتی کی تلاش کرنے کے لئے جابجا آدمی بھیجے ہیں۔ میں تمہاری جُدائی سے بہت دُکھی ہوں۔ ہمیشہ اپنی خیریت اور مزاج کا حال لکھتے رہنا۔ یہ نہ بھولنا۔

تمہارا ــــ تاراکانت

تاراکانت نے خط ختم کر کے فوراً ہی ڈاک خانہ میں بھجوا دیا۔ اور رائے مہاشے کے گھر جا کر خط کا مضمون بتا کر کاشی کی راہ لی۔ خط میں کاشی کی روانگی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا کیونکہ شاید یہ خبر سُن کر نریندر ناتھ وہاں سے اور کہیں چل دیں۔

وقت مقررہ پر خط کا جواب پہنچا۔ خط پاکر نریندر ناتھ کسی قدر متفکر ہوئے۔ اس کے بعد جواب میں لکھا "روپیہ وغیرہ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اَرتھ ہی اَنرتھ کی جڑ ہے۔ میں ماں باپ کی ناخلف اولاد ہوں۔ اُن کی خدمت نہیں کر سکا۔ اُنھیں سکھی نہیں بنا سکا۔ تم ہی کوشش کرنا۔ میرے پاس اب خط نہ بھیجنا۔ کیونکہ میں جلد ہی یہ مقام چھوڑ دوں گا۔"

یہ خط لکھ کر ڈاک خانہ میں چھوڑ آئے۔ چٹھی رساں تاراکانت کو نہ پاکر وہ خط رائے مہاشے کے گھر دے آیا۔ خط پاکر رائے مہاشے ایک نئی فکر میں پڑ گئے۔

۲۳
تیئسواں باب

دیرانہ میں!

اندومتی چلی گئی تھی۔ اگر کسی کی ہستی تھی۔ تو وہ صرف غم و الم کی۔ ــ کایا پلٹ گئی تھی صرف چھایا رہ گئی تھی۔ جسم کی موجودگی میں ہی زندگی کا سُکھ اور شانتی ہے۔ تمام رس دا

چیز میں وقت پر سٹرگل کر اپنا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی ہیں۔ مگر چھایا۔ چینا کی گود میں پناہ پاکر بڑھتی رہتی ہے۔ جو نریندر ناتھ کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ آج وہی دیکھنے لگے۔ سوچنے لگے۔ اسوقت اس خیالی اندومتی میں کتنی ہی نئی نئی دلکشی نظر آئی۔ کتنے ہی لطیف تخیلات کا فوارہ رواں دواں نظر آیا۔ یہ اندو گویا وہی اندو ہے گویا یہ سورگ کا جلال تھی! کیوں شک و شبہ میں پڑا؟ کیوں اپنے پاؤں میں آپ ہی کلہاڑی ماری؟ میرا کیا نہیں تھا؟ پریم۔ پریت۔ دیا۔ دھرم۔ ہنسی۔ خوشی۔ سکھ۔ شانتی غرض کیا نہیں تھا؟ میری اندو میرے تپسیا کا پھل تھی۔ محبت کا نوشگفتہ کمل۔ عفت و عصمت کی مجسم تصویر تھی۔ اسے کیوں کلنک لگایا؟ عفت و عصمت کا وہ ستون شاید ٹوٹ گیا۔ کمل شاید خشک ہو گیا؟ آہا۔ اس ستون سے پیار و محبت کی کیسی خوشنما بیل لپٹی ہوئی تھی۔ اس میں کیسے کیسے دلفریب پھول پھولے تھے۔ ان کی ہنسی کیسی ——— خوشبو کیسی ——— اور رنگ کیسا دلاویز تھا؟ میں نرک کا کیڑا ہوں۔ پھول میں زہر دیکھا۔ نازک پھول مرجھا کر گر پڑا۔ اور میں مر رہا ہوں۔

نریندر ناتھ نے تارا کانت کو خط لکھتے ہی کاشی چھوڑی۔ کاشی چھوڑ کر جا بجا اندومتی کی تلاش کرنے لگے۔ بغیر کھائے پیئے اندومتی کی فکر کرتے کرتے نریندر ناتھ کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ بھوک پیاس جاتی رہی۔ اگر کسی نے کھانے کو دے دیا۔ تو کھا لیا۔ ورنہ یوں ہی رہ گئے۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ اگر کوئی دیکھتا۔ تو پہچان نہ پاتا۔ ہر وقت انہیں یہی ایک فکر رہتی تھی۔ کہ اندومتی کہاں گئی؟ کون اندومتی کی خبر دیگا؟ صرف اسی خیال میں محو ہو کر وہ تمام چپ چاپ رہتے تھے۔ کہاں کے راستہ میں میدان کے وسط میں غرض جہاں دیکھو وہیں بیٹھے بیٹھے نہ معلوم کیا بڑبڑاتے تھے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے۔ جو دیکھتا تھا۔ کہتا تھا۔ کہ پاگل ہے۔ اگر ابھی نہیں تو جلد ہی ہو جائے گا۔ نریندر ناتھ کا دل ہر وقت مغموم اور اداس رہتا تھا۔ طرح طرح کے خیالات آتے تھے ———

اسی فکر میں نریندر ناتھ جا بجا اندومتی کی تلاش کرتے رہے۔ مگر کہیں کوئی سراغ نہیں ملا۔ برسات کا موسم تھا۔ اساڑھ کے آخری دن تھے۔ صبح سے دوپہر تک لگاتار پانی برستا

رہا۔ اس کے بعد اس زور کی دھوپ ہوئی۔ کہ تمام کائنات تپنے لگی۔ راہرو کدنب کے درختوں کے نیچے ٹھہرے تھے۔ ایسی شرربار دھوپ میں نربیندر ناتھ پاگلوں کی طرح دوڑتے بھاگتے ایک شمشان میں پہنچے۔ دیکھا۔ شمشان کا کونا کونا جلی ہوئی آتش کی راکھ سے بھرپور ہے کتنے ہی لاشے نیم سوختہ لکڑی کی طرح آہستہ آہستہ سلگ رہے تھے۔ کہیں کہیں آگ کے شعلوں کی لپٹ سانپ کی زبان کی طرح لپلپاتی ہوئی۔ دھوکا دھوکا ہیبناک نغمہ الاپ رہی تھی۔ بعض عورتوں کے لاشہ پر ان کے گھونگردالے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور چونکہ رکھی بھی نظر [illegible]

[illegible]

شمشان کے بیچوں بیچ ایک مردہ کتا پڑا ہے۔ کتے کے جسم میں ناک اور منہ سفید تھی۔ باقی تمام جسم رنگ برنگا۔ جابجا تلسی کے درخت تھے۔ نربیندر ناتھ نے تلسی کا درخت دیکھ کر سوچا! ماتا تلسی! شمشان میں تمہاری کیا ضرورت ہے؟ ماں! تمہیں کیا! اس دنیا میں اور کہیں جگہ نہیں ملی ماں! — مجھے یہاں دیکھ کر کتنا دکھ ہوتا ہے؟ کتنی ہی دکھ درد کی باتیں دل میں آتی ہیں۔ وہ اب کیا کہوں؟ ان خیالات کا شمار نہیں۔ بے شمار ہیں۔ ماں! تجھے شمشان میں دیکھ کر حوصلہ کھو کر دریائے غم میں غرق ہو جاتا ہوں۔ گزشتہ سکھ کی یاد چھیننے کی [illegible] دل میں بے حد تکلیف پہنچاتی ہے۔ جسم جان چونک اٹھتے ہیں ماں! پھر تم شمشان میں کیوں؟ سوچتا ہوں۔ تم دنیا کو پیدا کرنے والی ہو — ماں! کیا بچوں کے دکھ کے ساتھ ہی تم بھی آنسو چھوڑ سکتی ہو؟ اسی وجہ سے خیال ہوتا ہے۔ کہ ماتا بچوں کے کلیان کے لئے اور بچوں کا کمل جیسا چہرہ دیکھنے کے لئے شمشان میں آکر براجمان ہوئی ہو۔ ماں! شاید یہی وجہ ہے۔ کہ بلاناغہ ہر صبح بے چینی سے روتی ہو۔ اور چھم چھم آنسو بہاتی ہو۔

ہندوستان کا یہ پرلطف شاعرانہ نظارہ اور کہاں؟

شمشان سے تھوڑی دور پر ندی تھی اس کا پانی زور شور سے بہہ رہا تھا۔ [illegible] ایک پرسرور نغمہ کی لے نکل رہی تھی ساتھ ساتھ ہی درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ بھی عجیب و غریب نظارہ [illegible] تھی اس جگہ شفاف پانی میں [illegible] ہوتا تھا گویا درخت ڈوبے جا رہے ہیں۔ صرف وہ ایک [illegible] درخت سر اٹھائے ہوئے لہروں کے ساتھ ناچتے

ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کسی کسی کے پتّے کشتی کے قدم چوم رہے تھے۔ کہیں کہیں سر بفلک درختوں اور اُن کی شاخوں میں ندی پناہ گزین نظر آ رہی تھی۔ بعض شاخ بُریدہ درخت اپنے گزشتہ سُکھ کی یاد میں غمگین دکھائی دیتے تھے۔ یہ سب دیکھتے ہوئے لوگوں کے گروہ ندی کے پاس آتے جاتے تھے۔ اور گروہ بنا کر جا بجا کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

اُس ندی کے کنارے ہی شمشان کے پاس لڑکے کھیل رہے تھے۔ نریندر ناتھ کو وہاں دیکھ کر لڑکے اپنا کھیل کود چھوڑ کر اُن کے سامنے آ موجود ہوئے۔ اور اُن کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔

اُن چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو اپنی طرف تاکتے دیکھ کر نریندر ناتھ نے کہا۔ کیوں! تم لوگ اِس انداز سے کیا دیکھ رہے ہو۔

لڑکوں میں جو ذرا سیانا تھا۔ وہ بولا۔ آپ سے ایک بات کہنے آیا ہوں۔

نریندر ناتھ نے پیار سے کہا۔ کیا بات ہے بیٹے۔ کہو؟

لڑکے:۔ کیا آپ نہیں جانتے۔ اِس شمشان میں ایک زبردست بھوت رہتا ہے۔ اِس جگہ اگر کوئی دوپہر کو یا رات کو اکیلا آتا ہے۔ تو وہ ہڈّی پسلی توڑ کر جان لے لیتا ہے۔ شام ہو رہی ہے آپ جلد بھاگ جائیں۔ جلد بھاگئے۔ یہ دیکھو۔ ہم لوگ بھاگے جا رہے ہیں۔

یہ کہہ کر اُن لڑکوں نے دم کے دم میں وہاں سے دوڑ لگانی شروع کی۔ اور جلد اپنے اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔ اُس وقت شام ہو چکی تھی۔ نریندر ناتھ بے چینی سے سوچنے لگے۔ بھگوان سب تمہیں دیا مے اور پتت پاون کہتے ہیں۔ مگر میں تو تمہاری دیا کا ایک لکشن بھی نہیں دیکھتا آج ان لڑکوں میں جو دیا۔ جو درد۔ اور جو محبّت ان بچّوں میں دیکھی۔ اُس کا عشر عشیر بھی تم میں نہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ تم دیا کے بھنڈار ہو۔ میں کہتا ہوں۔ تم پکّے بے درد ہو۔ سنگدل! تمہیں جو دیا مے کہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ اور بھی سنگدل ہے۔ پھر تمہیں کیوں پکاروں؟ سنگدل کو پکارنے سے کیا فائدہ؟ نہ پکارنے میں ہی سُکھ شانتی ہے۔ تمہاری ہستی کا خیال ہی طرح طرح کے شکوک میں ڈالتا ہے۔ اگر تمہاری موجودگی نہ تسلیم کی جائے۔ تو پھر حرج کیا ہے؟ اسی سے کہتا ہوں۔ کہ تمہیں پکارنے میں سخت تکلیف

وقت اور پریشانی ہے۔ مختلف تکالیف برداشت کرکے بھی۔ اگر تم ملتے تو بھی پکارتا۔ مگر جیسے پکارتے پکارتے۔ جان کھو کر بھی صرف یہی کیوں جنم جنمانتر تک پکارنے پر بھی دیا نہیں آتی۔ بھلا بتاؤ ایسے سنگدل کو کون بُلائے؟ تب جو دو ایک بار پکارتا ہے۔ وہ صرف جنم راج کے خوف سے جو اسقدر خوفناک ہے۔ وہ وِشنو کیسے ہُوا؟ اُن کا چہرہ تو ہمیشہ ہی ہنس مکھ۔ اور اُن کا بھاؤ دیا سے بھرپور ہے۔ ناتھ! میں نے تمہیں اچھی طرح پہچان لیا۔ تم کتے پر تیر چلانے کے۔ لئے بہت مضبوط ہو۔ اسی لئے اگر حقیر کا قلع قمع نہ کردگے۔ تو تمہیں بڑا کون کہیگا؟

اے دین بندھو! آپ نے پاپوں کا خاتمہ کیا؟ اسوقت تک نہیں ہُوا! [illegible] اتنی حقیر ہے۔ اُس سے زبردست اور طاقتور انسان بھی چونک اُٹھتا ہے۔ اور میں تمہارے نزدیک حقیر سے حقیر ہوں۔ میری یہ عاجزانہ آواز کیا تمہارے کانوں تک نہیں پہنچتی؟ کیا تم میری یہ مصیبت اور دکھ درد نہیں دیکھ پاتے۔ کیا تمہارے آنکھ کان نہیں ہیں۔ پھر [illegible] دیا کے کہتے ہیں اُس کا کیا سبب ہے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ شاید وہ لوگ جھوٹ [illegible]

اسی لئے کہتا ہوں کہ تمہارے راج میں انصاف کا کام نہیں [illegible] اُس میں عقل و تمیز ہونا نہایت ضروری ہے۔ تم میں جسقدر عقل و تمیز ہے۔ [illegible] معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم راج کے قابل نہیں ہو۔ اسی وجہ سے ایسے تمام [illegible] میں پڑ رہا ہوں۔ اور پراتھنا کرتا ہوں۔ کہ ایسی سلطنت میں مجھے نہ بھیجو۔ ورنہ [illegible]

یہ سب سوچتے ہوئے نرِیندر ناتھ شمشان سے روانہ ہوئے اور ندی کے کنارے کنارے چلے۔ ندی میں جا پڑنے کے خوف سے کوئی اس کے کنارے نہیں جاتا تھا۔ دیکھنے والوں نے منع کیا۔ مگر اُنہوں نے کسی کے منع کرنے کی پرواہ نہیں کی۔ برابر چلتے گئے۔ چلتے چلتے یکایک قدم پھسلا۔ زمین کھسکی۔ اور وہ پانی میں جا گرے۔ دیکھنے والوں میں سے کسی کسی نے نرِیندر ناتھ کو پانی میں سے نکالنے کی ہرچند کوشش کی۔ مگر پانی کی پُر شور لہروں کے بہاؤ میں بہتے ہوئے نرِیندر ناتھ کہاں ڈوب گئے کوئی نہیں دیکھ سکا۔

چوبیسواں باب

پناہ

اُوشا نہایت ہی خوش طبع اور ہنس مُکھ لڑکی تھی۔ شنک تارا اُسے بہت پیاری تھی۔ تمام رات قدرت کی دلچسپیوں اور نیرنگیوں کی باتیں سُنکر اسوقت ذرا آنکھ لگ گئی تھی اُوشا کو جگانا بہت مشکل تھا۔

شنک تارا کا شوہر نہایت سلیم الطبع اور پاکیزہ صفات شخص تھا۔ اُس کے گھر میں ہر طرح کا سُکھ تھا۔ جائداد بھی تھی۔ اُسے برائے نام خراج دینا پڑتا تھا۔ اُس کی فوج معقول تھی۔ اور رعایا بہت فرمانبردار تھی۔ اِس وقت اُس کی آزمایش کا وقت آگیا تھا۔ راجہ نے اسوقت دل میں سوچا۔ کہ ملازمت کرکے جو تنخواہ ملتی ہے۔ اُسی سے گرہستی چلاؤں گا۔ روز بروز راجہ کی باتیں مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتیں۔ باجگذار راجہ اور قیدی دونوں کی یکساں حیثیت ہے یہ سوچ کر جینی رنجن رائے کثیر فوج لے کر پردیس چلے۔ شنک تارا اُن کی طرف مغموم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وقت رخصت آنکھیں چار ہوئیں۔ کتنے آنسوؤں نے تپتی ہوئی زمین کو سیراب کیا۔ اِس کا شمار نہیں۔ روتے روتے راجہ صاحب رخصت ہوئے۔ شنک تارا اسوقت بھی خاموشی سے دیکھتی رہی۔

ادھر ایک آواز کانوں میں آنے لگی۔ بھنگ وغیرہ باواز بلند پکار پکار کر کہنے لگے۔ اُوشا جاگو۔ اُوشا جاگو! شنک تارا نے روتے روتے کہا۔ بدنصیب کی لڑکی کیا تیری آج آنکھ نہیں کھلیگی۔ سوچا تھا۔ کہ تجھے بنسی نگر میں ہی بیاہ دونگی۔ مگر ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ سب کہتے ہیں۔ اُس کے ساتھ گھر گرہستی کا کام نہیں چلیگا۔ کیا کروں؟ اب تک بھی تیری شوخی نہیں کھوئی۔ دیکھ! شبنم کے بوند قدرتی؟ کھیت میں شاخ شاخ میں پھول کھلے ہوئے ہیں آج تجھے پھولوں سے سنگار کرکے بیاہ دونگی آ۔ اوشا! آ۔ اوشا کی آنکھیں بند ہیں اسوقت وہ آنسو کہاں گئے۔ نیند میں سب کچھ بھول رہی تھی۔ رفتہ رفتہ شنک تارا نے ایک گلابی ساڑھی پہنائی۔ چوٹی پھولوں سے آراستہ کی۔ پھولوں کے زیور اور ہار پہنائے۔ اوشا کا سہرا جسم پھولوں سے مزین ہو گیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

منگک تارا کی ایک سوت تھی۔ اُس کا نام کمُد نی تھا۔ منگک مارا نے اُوشا کا بناؤ سنگار کر کے سوت کے پاس بھیجدیا۔ اور خود بھی چلی۔ کمدنی اُوشا کا یہ بناؤ سنگار دیکھ کر تیل کے بیگن کی طرح جل اُٹھی۔ ہائیں! یہ تو شادی کا سنگار ہے کمدنی نے کہا۔ کمبخت! میرے گھر میں تیرے لئے جگہ نہیں تمہارے خاندان پر یُوں ہی سورج دیوتا کی نظر ہے۔ یہاں تجھے دیکھ کر۔۔۔ اُوشا گلابی ساڑھی پہنے ہوئے سنجیدگی سے ہنسنے لگی۔ جیسے اُس نے کمدنی کی بات ہی نہیں سُنی۔

کمدنی نے دل ہی دل میں سوچا بڑی سونیوالی لڑکی ہے۔ اس کی شادی بھی کسی ایسے لڑکے کے ساتھ کرنی چاہئے جو خوب سونیوالا ہو۔ کنجھ کرنگ کیا مر گیا؟ خیر! کوئی ایسا ہی بر ڈھونڈنا پڑے گا۔ کمدنی اسی فکر میں غوطہ زن تھی۔ ناظرین! آؤ ہم اندومتی اور شیل بالا کو دیکھ آئیں۔ اوشا کی شادی کے موقع پر ہم آپ کو نوید دینگے۔ آئیے۔ اب یہاں نہیں ٹھہرینگے۔

اُس دلکش اُفق کی شعاعوں کے نکلنے وقت اندومتی نے اپنے تمام جسم میں بھبُوت ملی اِس خوف سے کہ شاید اُس کا حسن صبح اُسے کسی بلا میں نہ پھنسائے۔ مگر بھبُوت رمانے سے کیا ہوگا۔ اندومتی کے حسن صبح کی مُنوّر شعاعیں خوبصورت برتن پر ٹھہرتی ہوئی کرنوں کی طرح بھبُوت کو چمکدار بناتی ہوئی نُور کا نظارہ دکھانے لگی۔ یہ سب دیکھ کر شیل بالا نے ہنستے ہنستے کہا۔ سکھی! کیا کرتی ہے! سونے کے جسم کو مٹی سے ڈھکتی ہے۔ اندومتی نے گھبراہٹ کا اظہار کیا۔

شیل بالا اندومتی کی گھبراہٹ سمجھ گئی۔ اُس نے کوئی بات نہیں کہی۔ صرف دل ہی دل میں یہی سوچا کہ اگر موقع ملا۔ تو ایک دن یہ تمام! تیں کہکر خوب ہنسونگی اور ہنساؤنگی جب اندومتی بھبُوت لگا چکی اُسوقت دونوں نے راستہ اختیار کیا۔ شام تک مستعدی سے چلتی رہیں۔ راستہ میں جو اندومتی نے دیکھا وہی کیا۔ ٹھیک شام کو وہ ایک گاؤں میں پہنچی۔ گاؤں بہت چھوٹا تھا۔ آبادی معمولی تھی۔ اگرچہ آبادی زیادہ نہیں تھی۔ تاہم گاؤں بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ قدرتی دلکشی اور دلاویزیوں کی وجہ سے موسم بسنت کا

ایک دلکش مرقع نظر آتا تھا۔ دونوں گاؤں میں پہنچکر گھر گھر کے پھیرے لگانے لگیں۔ مگر کہیں بھی ٹھہرنے کی جگہ نہ ملی۔ تمام دن کی مسافت کے بعد ٹھہرنے کی بھی جگہ نہ دیکھکر اندومتی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ تکان سے چور چور ہوگئی۔ مگر زبان سے کوئی بات نہیں نکالی۔ دل کی تکلیف دل ہی میں رہ گئی۔ **شیل بالا** اندومتی کی گھبراہٹ اور دکھ سمجھ گئی۔ اس کی آنکھیں بھی آبگوں ہوگئیں۔ اپنے دکھ سے نہیں۔ بلکہ اندومتی کا حال زار دیکھکر!

رات کا وقت تھا تقریباً دس بجے تھے۔ چاند آہستہ آہستہ اپنی منور روشنی تختۂ عالم پر پھیلا رہا تھا۔ اسوقت اندومتی و شیل بالا گھر گھر گھوم پھر رہی تھیں۔ بارے مایوسی امید سے مبدل ہوئی۔ گھومتے پھرتے ایک چھوٹے سے مکان میں پہنچیں۔ اس مکان میں دو کھنڈر تھے پہلے بھی اس میں جو دو ایک کمرے تھے۔ اس وقت ان کی بھی حالت خستہ تھی۔ مکان کے چاروں طرف سر بفلک آم۔ ناریل۔ کھجور۔ تال۔ سپاری اور جامن وغیرہ کے درخت تھے اس مکان میں دو عورتیں رہتی تھیں۔ ایک ضعیفہ تھی۔ اور دوسری **شیل بالا** کی ہم عمر تھی نام۔ مادھوری ـــ مادھوری کا حسن نہایت دلاویز اور دلفریب تھا۔ ضعیفہ مادھوری کی ساس تھی۔ اور باہر کے برآمدہ میں بیٹھی ہوئی پان کھا رہی تھی۔ دانت نہ ہونے کی وجہ سے وہ پان نہیں چبا سکتی تھی۔ اس نے پان کوٹتے کوٹتے کہا۔ مادھوری! مادھوری! اکھا چکی؟

رسوئی خانہ سے مادھوری نے جواب دیا یہ کھانے بیٹھی ہوں۔ تم سو رہو"

بڑھیا کو کھلا کر مادھوری خود کھانے بیٹھی تھی۔

بڑھیا نے پھر کہا۔ تو اکیلے گھاٹ پر جا سکیگی۔

مادھوری نے منہ میں لقمہ ڈالتے ڈالتے کہا۔ جا ـــ سکونگی

گھاٹ مکان کے پاس ہی تھا۔

بڑھیا اسوقت سونے کیلئے چلی۔ اسوقت شیل بالا نے کہا۔ ہم دو عورتیں ہیں۔ آپکے گھر میں کیا ٹھہر سکتی ہیں؟

بڑھیا سر نیچا کئے ہوئے گھر کے اندر جا رہی تھی۔ شیل بالا کی بات سنکر اس کی طرف دیکھکر

بولی:۔" یہاں جگہ نہیں کسی دوسرے گھر میں جاؤ۔"
یہ کہکر وہ مکان کے اندر چلی گئی۔
بُڑھیا کی بات سُنکر اندومتی و شیل بالا واپس چلیں۔ اتنے میں پیچھے سے مادھوری نے کہا:۔" جاؤ نہیں۔ جاؤ نہیں۔ بیٹھو"
اندومتی اور شیل بالا کو گویا ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ آگئی۔ واپس نہ ہو سکیں گھر میں تھوڑا بہت جو کچھ کھانا تھا۔ وہ چھوڑ کر جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر مادھوری اندومتی کے پاس آکر بولی:۔ بہن! تم لوگوں کا گھر کہاں ہے؟
شیل بالا:۔ گوکل پور کے پاس!
نند پور کے پاس ہی گوکل پور گاؤں تھا۔ اصلی گاؤں کا نام پوشیدہ رکھا۔ مادھوری کو یقین آگیا۔ بولی:۔ اس گاؤں میں کیوں آئی ہو؟
شیل بالا کیا جواب دیتی؟ سوچکر گھبرا اُٹھی۔ قیاساً یہ بول:۔ بھیک مانگنے!!"
مادھوری بہت متعجب ہوئی۔ بولی:۔ تمہارے گاؤں میں کیا بھیک نہیں ملتی؟ اور اسی سے تمہاری گذر بسر ہوتی ہے؟
شیل بالا:۔ ملتی کیوں نہیں! کبھی کم کبھی زیادہ!
دل ہی دل میں بولی:۔ ہمارے گاؤں میں سب ملتا ہے۔ اگر کوئی چیز نہیں ملتی۔ تو وہ پیار ہے
اندومتی نے ایک گہرا سانس لیا۔ بولی:۔ بہن! تھوڑے دن ہوئے ہم دونوں **بھکارن** ہوئی ہیں۔
مادھوری نے اُس وقت اندومتی کے گلے میں اپنے دونوں بازو ڈال دیئے۔ کیوں؟ ایسا کیا کہہ نہ سکی۔ معلوم ہوتا ہے۔ اندومتی کی باتوں سے اُسے چوٹ لگی تھی۔ اسی وجہ سے مادھوری نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا تھا۔ آؤ بہن! گھر چلو۔ یہ بھی تمہارا گھر ہے۔ بہن! میں بھی بھیک مانگ کر گذر بسر کرتی ہوں۔ اس وقت تمہیں کیا کھانے کو دوں۔ بھیک مانگ کر جو پایا تھا۔ اُس سے دونوں وقت کا کھانا چلا۔ گھر میں اسوقت ایک مٹھی چاول بھی نہیں
یہ کہکر اندومتی کا ہاتھ پکڑ کر مادھوری گھر کے اندر لیگئی۔ اندومتی نے دیکھا۔ **مادھوری**

کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو رہی تھیں۔ اس کی درد رس نگاہ دیکھ کر اندومتی مبہوت ہو گئی۔ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ ایک دن نریندر کے پیارے پیارے منھ سے سنا تھا۔ زہر میں زہر۔ پانی میں پانی اور آگ میں آگ ملتی ہے۔ یہ لامحدود شکتی۔ اور لامحدود شانتی ہے۔" اس نے اُن باتوں کا پورا پورا ثبوت پالیا۔ - - - سوچنے لگی۔ آج مادھوری کی اور میری ایک ہی حالت ہے۔ اسی وجہ سے مادھوری کی آنکھیں اس قدر آنسوؤں سے لبریز ہیں۔ خواہش ہوئی۔ کہ اُس کے قدموں میں اپنا سر رکھدے۔ ایسا رتن پاکر کون اپنے آپ کو نہیں نیوچھاور کر دیتا۔ اندو ایشور جب اپنے آپ کو نثار کر دیتا ہے۔ تو ہم تم کون ہیں؟

مادھوری اندومتی اور شیل بالا دونوں کو گھر کے اندر لے گئی اور بٹھایا۔ اندومتی چراغ کی روشنی میں مادھوری کا حسن دل افروز دیکھکر پر سوچنے لگی۔ مادھوری کی ساخت کتنی سڈول ہے کیسی بے مثل ملاحت ہے۔ گویا پورنماشی کا چاند ہے۔ جسم میں جیسی بے مثل ملاحت ہے۔ باتوں میں بھی ویسی ہی شیرینی ہے۔ محبت کے شہد کا چھتا ہی ہے۔ بظاہر بولی۔ بہن! ہم دونوں کھانا نہیں کھائینگی۔ تم مت گھبراؤ۔

مادھوری کے آنے میں دیر ہوتے دیکھکر بڑھیا بار بار پکار رہی تھی۔ مادھوری فوراً اُس کے پاس گئی۔ اور کان میں نہ معلوم کیا کیا کہا؟ معلوم ہوتا ہے۔ اندومتی کے ٹھہرنے کے لئے منت و سماجت کرکے پھر اندومتی کے پاس آگئی۔

اندومتی و شیل بالا دونوں نہانے کے لئے گھاٹ پر آئیں۔ تمام دن انھیں نہانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

پچیسواں باب ۲۵

مادھوری شیل و اندو کو گھاٹ پر چھوڑ کر گاؤں کے اندر گھسی۔ رات تقریباً ڈیڑھ پہر گذر چکی تھی۔ چاند کی روشنی پُر لطف بہار دکھا رہی تھی۔ صفحۂ کائنات پر نور کی صاف شفاف چادر بچھی ہوئی تھی۔ راستہ میں کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ مادھوری بیخوفی سے چلنے لگی۔ ہر چہار طرف ایک عجیب و غریب دلکشی کا سماں چھایا ہوا تھا۔ وہ بڑے بڑے سر بفلک برگد

ناریل، سپاری دار، نیم اور ببول وغیرہ کے درخت تھے۔ بعض بعض درختوں کے پتّوں کی سرسراہٹ سے نہایت ہی دلکش نغمہ کے سُر نکل رہے تھے۔ بعض بعض درختوں پر پرندوں کے جھنڈ جھنڈ کے متفقہ آواز سے بول رہے تھے۔ مادھوری تقریباً آدھ کوس فاصلہ طے کرکے ایک مکان میں داخل ہوئی۔ اور پکارا۔ ماں! ماں! میں مادھوری ہوں۔ اُٹھو! اُٹھو!! اُٹھو!!! بات سُنو!

مادھوری کی آواز سُنکر اُس گھر کی مالکہ اُٹھیں۔ وہ مادھوری کو لڑکی کی طرح پیار کرتی تھیں کیونکہ اُن کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ مادھوری بھی مالکہ کی ماں کی طرح عزّت کرتی تھی۔ مالکہ نے کہا:۔ کیوں مادھوری! اتنی رات تک کہاں تھی؟ بیٹی! تو کیا ڈرتی نہیں؟

مادھوری نے حوصلہ آمیز لہجہ میں کہا:۔ ماں! خوف کی کیا بات ہے؟

مالکہ نے متعجب ہوکر کہا:۔ مادھوری! کہتی کیا ہے۔ خوف نہیں۔ اگر خوف نہ بھی ہو۔ تو کیا اتنی رات کو کوئی آتا ہے؟

مادھوری نے لجاجت آمیز لہجہ میں کہا:۔ ماں! ضرورت تھی۔ اسی وجہ سے آئی۔

مالکہ:۔ بیٹی! کل آتی۔ تو کیا ہرج تھا؟

مادھوری:۔ خاص ضرورت"——

مالکہ کے دل میں ماں کی ممتا جوش زن ہوئی۔ بولیں بیٹی! ایسی کیا ضرورت درپیش ہوئی؟ مادھوری نے کہا:۔ ماں! دو رشتہ دار آ گئے ہیں۔ وہ کیا کھائینگے؟ کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ بھیک مانگ کر جو لائی تھی۔ وہ دو وقت میں ختم ہوگیا۔ گھر میں ایک مٹھی چاول بھی نہیں۔ ماں! اب کیا کروں؟

یہ کہتے کہتے آنسوؤں بھری نگاہوں سے مالکہ کی طرف دیکھنے لگی مالکہ نے ہنس کر کہا:۔ اری پگلی! اس کے لئے فکر کیا؟ ٹھہر! چاول دال دیتی ہوں۔

دم کے دم میں مالکہ تقریباً پانچ سیر چاول اور سیر بھر دال لے آئیں۔ مالکہ مادھوری کی کسی قسم کی کمزوری کا احساس کرتے ہی اس پر پانی پھیرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ بھیک مانگنے کے متعلق بھی اُنہوں نے بارہا کہا تھا۔ مگر مادھوری شرم کی وجہ سے روز روز مالکہ کے پاس مانگنے نہیں آتی تھی۔

دال چاول لے کر مادھوری اُلٹے پاؤں گھر واپس آئی۔ گھر آ کر دیکھا۔ کہ اندومتی و شیل بالا گھاٹ پر بیٹھی نہا رہی ہیں۔ اور آپس میں بیٹھی ہوئی نہ معلوم کیا کیا باتیں کر رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر مادھوری جلد جلد کھانا پکانے میں مصروف ہو گئی۔ اندو اور شیل بالا کو ذرا پتہ نہ لگا۔ گھاٹ سے آ کر انہوں نے مادھوری کو پکارا۔ مادھوری نے رسوئی خانہ سے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ بہن! تم گھر میں بیٹھو میں کھانا پکا رہی ہوں۔

مادھوری کا دل دریائے مسرت میں غوطہ زن تھا۔ مادھوری کیوں پھولی نہیں سماتی تھی۔ کون کہہ سکتا ہے؟ اتنی تکلیف و مصیبت پر بھی مادھوری کی خوشی کی انتہا نہیں گویا آج اس کی تمام کھوئی ہوئی طاقتیں از سر نو آ گئیں تھیں۔ شیل بالا نے کہا۔ بہن! ہم لوگ کچھ نہیں کھائینگی۔

مادھوری نے رنجیدہ ہو کر کہا۔ بہن! کیوں نہ کھاؤ گی۔ میں چاول دال لے آئی ہوں ضرور ہی کھانا پڑیگا۔

شیل بالا نے ذرا مسکرا کر کہا۔ یہ نہ کہتی تو کیا یقین نہ آتا۔ کہ چاول دال نہیں تھا۔

مادھوری شرمندہ ہو گئی۔ اور سادگی سے بولی۔ بہن! اسوقت لائی ہوں۔

شیل:۔ کہاں پایا؟

مادھوری:۔ بہن یہ سنکر تم کیا کرو گی؟

اسوقت مادھوری چولھے میں لکڑی لگا کر اندومتی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تک بیٹھنے کے بعد اندومتی کا ہاتھ پکڑ کر رسوئی خانہ میں لے گئی۔ بعد ازاں بولی:۔ بہن! تمہیں بہت بھوک لگی ہے۔ اب دیر نہیں ہے۔

مادھوری نے چولھے میں پھر لکڑی لگائی۔ چاول پکنے لگے اندومتی نے کہا۔ نہیں مجھے بھوک نہیں لگی۔

مادھوری:۔ نہیں کیوں بہن! منھ تو خشک نظر آ رہا ہے۔ میرا خیال ہے۔ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتی۔

اندو:۔ شرم کیا؟ سچ مچ مجھے بھوک نہیں۔

فی الحقیقت اندُومتی کا دِل درد و غم کی آگ سے جل رہا تھا۔ یہ اتنی بڑی مصیبت تھی۔ جو اُس نے کبھی نہیں اُٹھائی تھی۔ اِس دُکھ کی وجہ سے اُسے بہت بھوک پیاس نہیں ستاتی تھی۔ جو ہو۔ کھانا تیار ہُوا۔ سب نے کھانا کھایا۔ کھاپی کر سونے چلیں۔ مادھوری نے اندُو متی سے کہا۔ بہن! میں نے تمہیں پایا؟"

اندُومتی مُسکرائی۔ بولی:۔"ہاں پایا"

"تمہیں پایا"

اندُومتی زور بھی ہنسکر بولی:۔"پایا"

مادُھوری کے عضو عضو میں مسرّت کی لہریں اُٹھ رہی تھیں:۔ بولی:۔"تو تمہیں پایا"

اندُو:۔"پایا"

اندُومتی کی بات سُنکر مادھوری نے پیار سے اُس کی ٹھوڑی پکڑ لی۔ اور دونوں گلے مل کر سو رہیں۔

عورتوں میں محبّت بآسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

چھبیسواں باب (۲۶)

داستان مصیبت!

اندُومتی و مادھوری تنہائی میں بیٹھی ہُوئی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے آپس میں بات چیت کر رہی تھیں۔ اندُومتی نے مادھوری سے نہایت ہی محبّت آمیز لہجہ میں کہا:۔ بہن! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہُوں۔

مادُھوری نے ہنسکر کہا:۔ بہن! کہو کیا بات ہے؟

اندُو:۔ جو بات پوچھونگی۔ صاف صاف بتادوگی نہ؟

مادُھوری:۔ بتادُونگی۔

اندُو:۔ کوئی بات چھپاؤگی تو نہیں؟

مادُھوری:۔ نہیں!

اندُو:۔ سچ!

مادھُوری:۔ سچ!

اندُو:۔ تم روز رات کو رویا کیوں کرتی ہو؟

مادھُوری رات کو اندُومتی کے قریب ہی سوتی تھی اور لیٹے لیٹے چپ چاپ آنسو بہایا کرتی تھی۔ اندُومتی نے کئی دنوں تک متواتر اسکا رونا سُنا۔ اور سوچا تھا کہ مادھُوری سے اس رونے کا سبب پوچھوں گی۔ لیکن ممکن ہے۔ کہ مادھُوری اپنے دِلی خیالات کا اظہار نہ کرے اس خیال سے وہ اتنے دنوں تک نہیں دریافت کر سکی۔ اب مادھُوری کو اکیلا پاکر اُس سے پوچھا۔ اندُومتی کی یہ بات سُنکر بادلوں سے گھرے ہوئے چاند کی طرح مادھُوری کا چہرہ ملین ہوگیا۔ تحیرانہ انداز سے بولی۔ کچھ نہیں۔ بہن!

اندُومتی:۔ چھی مجھ سے چھپاتی ہے

مادھوری شرما گئی۔ کچھ سوچ کر بولی:۔ بہن! میں بہت دُکھی ہوں میرے دُکھ کا حد و حساب نہیں

اندُومتی:۔ دنگ رہ گئی دِل ہی دِل میں سوچنے لگی۔ دُنیا میں کیا مجھ سے بھی کوئی زیادہ دُکھی ہے؟ بظاہر بولی:۔ کیوں بہن؟

مادھُوری نے پر اضطرار لہجہ میں کہا: شوہر سے علیٰحدہ عورت کو سُکھ کیا ہے؟

اندُومتی نے گھبراہٹ آمیز لہجہ میں پوچھا: کیوں؟ کیا تُمہارا شوہر نہیں ہے؟

مادھوری نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور موسم برسات کے بادلوں کی طرح آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:۔ "ہیں"

اندُو:۔ پھر تمہیں دُکھ کیا ہے؟

مادھُوری نے غمگین لہجہ میں کہا:۔ کیا دُکھ ہے؟ کہتے ہوئے سینہ شق ہوا جاتا ہے۔

اندُومتی نے دیکھا، مادھُوری کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے ہیں بولی:۔ بہن! تمہارے دُکھ درد کی کہانی کیا نہ سُن سکونگی۔ میں کیا تمہاری کوئی نہیں ہوں؟ مادھُوری کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو گرنے لگے۔ جیسے زرد گلاب پر شبنم کی بوندیں پڑتی ہیں۔ اور وہ ایک خاص رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح مادھُوری کے گالوں کا رنگ نظر آیا۔ مادھُوری نے اتنے

[illegible]

میرے بڑے آدر کی چیز تھی۔ مگر ہائے! اگرچہ بُری صحبت میں پڑ کر انہوں نے میری جانب سے
آنکھ بند کر لی تھی تاہم وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ کیوں پیاری تھی؟ نہیں کہہ سکتی! وہ
جب اِدھر اُدھر سے گھوم پھر کر آتے تھے۔ تو ان کی نظریں میری طرف ہی رہتی تھیں۔ میں اُن سحر
کار نگاہوں کی تاب نہ لا کر بیخود ہو جاتی تھی۔ اُن کی وہ محبت سے لبریز نگاہیں دل کے اندرونی
حصوں میں پہنچ کر آرزوؤں اور اُمنگوں کی دُھوم مچا دیتی تھیں۔ اور دل میں فرط مسرت سے
ایک پُر لطف گدگدی کا سا احساس ہوتا تھا۔ بات کی چیز چھوٹ پڑتی تھی۔ صرف چھونے ہی کیوں؟
تمام بدن میں جیسے بجلی کی سی لہر دوڑ جاتی تھی۔ اُن کی بات چیت میں ایسی دلدوز طاقت معلوم ہوتی
کہ سنکر دل میں ایک ہلچل سی مچ جاتی تھی۔ پریم کی کشتی پریم کے اتھاہ ساگر میں ہی غوطے کھاتی
تھی۔ مگر میرے وہ سُکھ کے دن جاتے رہے۔ اسوقت اب میری کال راتری ہے۔ دُکھ کی شعلہ
زن آگ میں تمام جسم جل رہا ہے۔ اُنھوں نے جی بھر کر اچھی طرح مجھے وہ پیارا پیارا شفقت آمیز
مُکھڑا نہ دیکھنے دیا۔ بیچاری کو مصیبت کے سمندر میں چھوڑ کر ایک لالچ کے خوف سے نہ معلوم
کہاں چلے گئے۔ کہ اُنھیں پھر نہ دیکھ سکی۔ مجھے چھوڑنے کے بعد اُنہوں نے سوچا۔ اپنی زندگی
کا خاتمہ ہی کر دینا مناسب ہے۔ زندگی کا سُکھ کیا ہے؟ لاتعداد دُکھوں سے یہ زندگی بھری ہے
جہاں حرص و ہوس کا انسان اسقدر دلدادہ ہو وہاں سُکھ کہاں؟ حرص و ہوس سے قطع
نظر ہی سُکھ ہے۔ میں اسی حرص و ہوس کی آگ میں پڑ کر یکبارگی ہی خاک سیاہ ہو گئی۔ شہر کا
[illegible] دیکھ کر ادھر بھی اُس کی بہار لوٹنے کی لالچ میں پڑی۔ مثل مشہور ہے "لالچ بری بلا ہے [illegible]
کو جاوے۔ ایسا ڈوبے تھاہ نہ پاوے" ــــ میں اسوقت تباہی میں ہوں۔ زبردست
تباہی میں ــــ"

ابھی دن ــــ اسی وقت ــــ اس تباہ کن گھڑی میں ناقابل برداشت آگ کی جلن نہ سہہ سکنے
پر مرنے چلی تھی۔ مگر جاتے وقت سوچا۔ کیوں مرونگی؟ دریا کے پانی میں جوار بھاٹا آنے سے کیا
پھر وہ کام کا نہیں رہتا؟ یہ قدرتی قانون ہے۔ اس وقت اگرچہ جوار بھاٹے کا زور ہے۔ پھر بھی
وہ دن آسکتا ہے۔ کہ دریا کا پانی صاف شفاف ہو کر سکون پذیر ہوگا۔ بہن! موت کبھی انسان کی

زندگی کی آس رہتی ہے۔ انسان کا دل نہایت ہی چنچل ہے۔ حالات بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ اُسی
دلفریب و خوشنما اُمید کا منہ دیکھ کر اس زندگی کو رکھ چھوڑا۔ زندگی کو رکھا۔ مگر اس کا سکھ نہ
رہ سکی۔ شانتی نہیں سکھ نہیں۔ جسم و جان کو جلاتی ہوئی آگ دھو دھو کا نغمہ الاپ رہی ہے
ہائے! یہ آگ کیا کبھی نہ بجھیگی؟

اسی وقت اندومتی نہ معلوم کیا کہنا چاہتی تھی۔ مگر مادھوری۔ اندومتی کے ان ہاتوں پر ہاتھ دھر کر بولی:- سنا تھا۔ انسان مرنے کے بعد آسمان کا تارا ہوتا ہے۔ ایک دن اسی عقیدہ کے زیر اثر آکر مرنے گئی تھی۔ مگر کیا مر سکی؟ اس پر مجھے یقین نہیں آیا۔ اگر مر کر بھی تشفی نہ ہوئی۔ تب تو کہیں نہیں دیکھ سکونگی۔ مرنے کے لئے گئی۔ اور پھر گھر لوٹ آئی۔ اور بستر پر لیٹ کر گھنٹوں روتی رہی۔ روتے روتے دل کی جلن کسیقدر کم ہوئی۔ دل میں خیال آیا۔ میں گمراہ ہوں شانتی کے لئے کہیں باہر کیوں جاتی ہوں! وہ تو گھر میں ہی ہے۔ جب روتے روتے دل کی جلن میں کسیقدر کمی واقع ہوئی۔ تو پھر خود کشی کر کے خاندان میں داغ کیوں لگاؤں اور سنا تھا۔ بیموت کی موت مرنے سے انسان بادل ہو کر ادھر اُدھر گھومتا رہتا ہے۔ عرصہ تک جھر جھر روتا رہتا ہے۔ بجلی کی چھری سے سینہ چاک کر کے اس کی تمام آواز اپنے اندر بھر لیتا ہے۔ بہن! اس دن اس کنج تنہائی میں بیٹھی ہوئی آنسو بہا رہی تھی۔ روتے روتے بچکی طرح چاند کی دیکھ رفیق ہوا۔ ایسا احساس ہوا۔ کہ دکھ نہایت سکھ کی شے ہے۔ آج کتنے دنوں بعد تمہیں پاکر گویا میری نئی زندگی ہوئی ہے۔ اب سب کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بہن! اگر تم اس دن یہاں سے چلی جاتیں۔ تو شاید میں نہ بچتی۔ میں بھی ایک دن متمول تھی۔ میرے بھی باغ بغیچے۔ اور عالیشان مکانات تھے۔ مگر ان کی بے پروائی اور بری صحبت میں پڑنے سے سب کچھ جاتا رہا۔ اب وہ سب دوسروں کی ملکیت میں ہے۔ اگر سب کچھ دینے پر بھی انہیں اپنی نگاہوں کے روبرو رکھ سکتی۔ تو میرے سکھ کی حد نہ رہتی۔ دولت لے کر کیا کرتی؟ آدمی سلامت رہے۔ دولت خود بخود آجاتی ہے۔ جس کی دولت تھی۔ اگر وہی نہیں رکھ سکا۔ تو کون رکھیگا؟

یہ کہتے کہتے مادھوری بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اندومتی وشیل بالا نے ایک دن اور ٹھہر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر مادھوری نے کسی طرح

قبول نہیں کیا۔ اندومتی مادھوری کو بہت پیار کرنے لگی تھی — فرطِ محبت نے اُس کی زبان پر قفلِ سکوت لگا دیا تھا۔ دِل ہی دل میں وہ مادھوری کی بہت تعریف کرتی تھی۔ بظاہر تسلی آمیز لہجہ میں بولی:- بہن! روتی کیوں ہو۔ رونے سے کیا فائدہ؟

مادھوری خاموش ہوگئی۔ مگر آنسو رُخسار سے ہوتے ہوئے سینہ تر بتر کر رہے تھے۔ آنسو کسی کی بات نہیں سُنتے۔ خود ہی آتے ہیں۔ خود ہی گرتے ہیں۔ اور خود بخود بند ہو جاتے ہیں۔

اندومتی نے اپنے آنچل سے مادھوری کے آنسو پونچھے بعد ازاں بولی۔ تمہارے شوہر نے کتنے دِن سے تمہیں چھوڑ رکھا ہے۔

مادھوری کے کلیجہ میں جیسے چھُری اُتر گئی۔ مایوسانہ انداز سے بولی۔ تقریباً — چھ — برس سے!

اندو:- اس چھ برس کے عرصہ میں کوئی خبر نہیں ملی؟

مادھوری:- نہیں!

اندو:- اُن کے پیچھے کوئی آدمی بھیجا تھا؟

مادھوری نے ایک آہ سرد سانس لے کر کہا:- کتنے ہی آدمی تلاش کرنے کے لئے اِدھر اُدھر بھیجے مگر کہیں کوئی پتہ نہ چلا۔ ہائے! اُن کا چہرہ کیسا پیارا پیارا تھا! کیسی متوالی اور رسیلی آنکھیں تھیں!!! باتیں کیسی میٹھی میٹھی اور تسکین بخش تھیں!!! جی چاہتا ہے کہیں ملیں تو ایک بار جی بھر کر دیکھ لوں۔ یہ کہتے کہتے مادھوری نے قدم بڑھائے۔

اندومتی نے خوفزدہ ہو کر مادھوری کو پکڑ لیا۔ بولی:- مادھوری! تو کیا پاگل ہوگئی ہے؟

مادھوری شرما گئی۔ اُس کے چہرے پر ندامت کے آثار نمودار ہوئے۔

ستائیسواں باب ۲۷

نیا جوگی

ایک دن مادھوری دہلیز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اندومتی شیل بالا پڑوس کی چند عورتیں اور نوعمر لڑکیاں آپس میں ہنسی ٹھٹھا کر رہی تھیں۔ پڑوس کی عورتیں مادھوری سے ملنے آئی تھیں اُن عورتوں میں سے کسی نے کہا:- میرے لڑکے تو شیام ٹھاکر کے ... [illegible]

نسبت بات چیت طے ہوئی تھی۔ مگر لڑکی کا سمجھاؤ اچھا نہیں۔ یہ سُنکر اُنھوں نے رشتہ ہر سے مراد انکار
کر دیا۔ کسی نے کہا۔ میرا لڑکا بی۔ اے پاس ہے۔ کتنے ہی آدمی میرے گھر آتے ہیں۔ اور لوٹ جاتے
ہیں۔ میں ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ منہ پھلائے چپ چاپ بیٹھی رہتی ہوں۔ جو نقد دس ہزار
[illegible] گھوڑا گاڑی جہیز میں۔ اور پانچ سو کی انگوٹھی بطور جہیز دیگا۔ اُسی کے ہاں شادی کرونگی۔ کسی
عورت نے آزردگی سے کہا۔ بھائی! مجھے تو گھوڑا گاڑی جہیز دینے پر بھی [illegible] نہیں ملتا۔ کسی نے
کہا۔ ایسا نازک زمانہ آیا ہے۔ کہ عزت بچنی محال ہے۔ تھوڑے دنوں میں پرتھوی رسائل کو پہنچ
جائے گی۔

پڑوس کی عورتیں آپس میں اسی قسم کی بات چیت کر رہی تھیں۔ عین اسی وقت ایک جوگی وہاں
آگیا۔ سب اُس کی طرف دیکھنے لگیں۔ دیکھا۔ کہ جوگی نہایت ہی خوبصورت ہے۔ وجیہہ۔ قد چھریرا
بدن۔ بلند پیشانی بڑی بڑی شراب معرفت سے سرشار آنکھیں لمبی لمبی جٹائیں۔ فراخ سینہ
گلے میں [illegible] کی مالا پڑی تھی۔ باقی جسم پر شیر کی کھال تھی۔ تمام بدن میں بھبھوت ملی ہوئی
تھی۔ [illegible] سول تھا۔ جوگی کو دیکھ کر سب کھڑی ہو گئیں۔ کئی ادھیڑ عورتوں نے نمسکار
کیا۔ [illegible] کا آسن [illegible] دیا۔ اور نہایت ہی
خلوص محبت و عقیدت سے جوگی کے چرنوں میں [illegible]۔ جوگی نے [illegible] کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ اور
[illegible] آسن پر بیٹھ گئے۔

اسوقت تمام عورتیں جوگی کو گھیر کر بیٹھ گئیں۔ [illegible] ایک ادھیڑ عورت نے پوچھا
مہاراج میرا لڑکا جلد ہی واپس آئیگا یا کیا؟ اس عورت کی دیکھا دیکھی کالی تارا نے کہا
مہاراج [illegible] میری لڑکی کو یرقان ہو گیا ہے؟ کیسے اچھی ہو گی؟ ترنگنی نے پوچھا۔ مہاراج میری
بڑی بہن کے کیا ہوگا؟" سُرما نے پوچھا۔ مہاراج! [illegible] کیا جلد گھر آئینگے؟ سُرما کے پاس
خط آیا تھا۔ کہ اُس کا شوہر اور دیور دونوں یکساعت جلد ہی مکان روانہ ہوں گے معلوم
ہوتا ہے۔ سُرما نے سُرما کو دیور کے بہانے شوہر کے آنے کی بابت پوچھنا چاہا تھا۔ ماتنگی
نے سوال کیا۔ میرے لڑکے کو کوئی تکلیف تو نہیں ہو گی؟ رشیا نے دریافت کیا۔ میری دیدی
کے لڑکا نہیں ہوتا کوئی دوا دیجئے؟ دوا کی بات سُنکر بھامنی۔ دامنی۔ کامنی۔ رسن مئی

راج منی۔ رام منی۔ کرشن موہنی۔ بلاسنی۔ موہ باشنی۔ سوہاسنی۔ اُماسندری۔ رُماسندری دلاوتی۔ سیتالنی۔ من مالنی وغیرہ تمام عورتیں ایک ایک کرکے کوئی لڑکا [illegible]
بہن کے لئے۔ کوئی شوہر کو بس میں کرنے کے لئے دوا مانگنے لگیں۔ جوگی نے اب تک کسی کے
سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جواب دینے کا موقع بھی نہیں تھا کیونکہ لگاتار سوال کرتی جا رہی
تھیں۔ گویا وہ بازار میں پہنچ گئی تھیں۔ کون کیا کہتی ہے؟ جوگی یہ بھی نہ جان سکا۔
جوگی کو خاموش دیکھ کر عورتیں بھی خاموش ہو گئیں۔ شیل بالا نے موقع دیکھ کر پوچھا بابا! آپ
گنت جانتے ہیں؟
جوگی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا ہاں! جانتے ہیں۔ کچھ پوچھو گی کیا؟
شیل بالا کی بات کا جواب دیتے دیکھ کر عورتوں میں پھر شور مچ گیا سب شیل بالا کے ذریعہ
اپنی اپنی بات پوچھنے کے لئے بیتاب نظر آنے لگیں۔ کسی نے آنچل پکڑا، کسی نے [illegible]۔ [illegible]
نے جُوڑا پکڑ کر ہلانا شروع کیا۔ شیل بالا بڑی مصیبت میں پڑی۔ یہ سب دیکھ کر جوگی جی
دل ہی دل میں ہنس رہے تھے۔ بہت دیر بعد شیل بالا نے سب کو صبر و تسلی دیکر کسی طرح
شور و غل بند کیا۔ بعد ازاں جوگی کا امتحان لینے کے لئے مادھوری کو دکھا کر کہا۔ مہاراج!
اس کا نام کیا ہے؟
جیسے پھول کھلتا ہے۔ اسی طرح جوگی نے شگفتگی کا دکھا کر کہا۔ "مادھوری"
شیل بالا متحیر ہو گئی۔ مگر مادھوری جوگی کی شگفتہ ہنسی دیکھ کر اس کے چہرے کی طرف آرزومندانہ
نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ معلوم ہوتا ہے شیل بالا نے یہ ہنسی نہیں دیکھی۔ جوگی کی ہنسی دیکھ کر
وہ دل میں کیا سوچتی؟ [illegible]
جوگی نے پھر کہا۔ مادھوری کی ساس مر گئی ہے۔ تقریباً ایک مہینہ ہوا۔
فی الحقیقت مادھوری کی ساس کو مرے ہوئے ایک مہینہ ہوا تھا۔ جوگی کی بات سُنکر تمام
عورتیں متحیر ہو گئیں۔ سچی بات سُنکر ان کا عقیدہ پختہ ہو گیا۔ اسوقت عورتیں آپس میں طرح
طرح کی باتیں کرنے لگیں۔ شیل بالا نے پھر کہا۔ مہاراج مادھوری کا شوہر زندہ ہے کیا؟
شیل بالا مادھوری کے تمام حالات اندومتی کی زبانی سُن چکی تھی۔ جوگی نے کچھ دیر بعد

متانت آمیز لہجہ میں کہا۔ "زندہ ہے؟"

مادھوری اُسوقت یکسوئی سے جوگی کی بات سُن رہی تھی۔ وہ نہایت غور سے اُن کا منہ دیکھ رہی تھی۔ جوگی کو دیکھتے دیکھتے اُس کی حالت نہ معلوم کیسی ہونے لگی اودھر شیل بالا نے پھر پوچھا۔ "مادھوری کا شوہر کیا اب دیس کی طرف نہیں آسکے گا؟"

جوگی سنبھل گیا۔ یکایک اُس نے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اُن کی نگاہیں زمین کی طرف تھیں چہرے پر فکر کے آثار نمودار ہوئے۔ کہا۔ "نہیں"

مادھوری دھوپ سے مرجھائے ہوئے پھول کی طرح سر نیچا کئے جوگی کی بات سُنکر اور بھی پژمردہ ہو گئی۔ اُس نے پھر بھی کوئی سوال نہیں کیا۔ اور نہ کچھ بولی صرف شیل بالا نے ہی غمگین لہجہ میں پوچھا۔ "کیوں مہاراج؟"

جوگی نے مایوسانہ انداز سے کہا۔ "یہ کیسے کہہ سکتا ہوں؟"

مادھوری اُسوقت وہاں سے چلی گئی۔

شیل بالا نے پھر کہا۔ "مادھوری کی قسمت میں کیا سُکھ نہیں ہے؟"

جوگی نے آہستہ سے کہا۔ "انسان دُکھ سُکھ کی بات نہیں بتا سکتا۔ اس جگہ ہم لوگ بالکل اندھے ہیں۔ اگر قسمت میں سُکھ ہوگا۔ تو ملیگا!"

شیل بالا نے مسکرا کر کہا۔ "سُنا تھا جوگی سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ بھی تو جہاں یوگی ہیں۔ پھر کیوں نہیں بتاتے؟"

جوگی نے ایک لمبا سانس لیا۔ بولا "سکھ دُکھ تبدیلی پذیر ہیں۔ اور اس کا انحصار پچھلے کرموں پر ہے۔ کوئی عرصہ دراز تک سُکھ اُٹھاتا ہے۔ بعض بعض ایسی ہستیاں ہیں۔ جنکا پیمانہ مسرت نہایت چھوٹا اور چھچھلا ہوتا ہے۔ ایسا چھوٹا کہ آنکھوں میں سرخی آنے سے پیشتر ہی جام خالی ہو جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر جوگی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کسی عورت کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اُس وقت سوہ دل میں جوگی کی تندیا ہونے لگی۔

اٹھائیسواں باب ۲۸

تالاب کے کنارے!

آسمان پر بادلوں کے جھنڈ جھنڈ بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ تختۂ آسمان پر ستارے نہیں کھلے تھے۔ صرف چند تارے ہلکے ہلکے بادلوں سے جھکتے ہوئے چاند کی پیشانی پر نظر آ رہے تھے۔ چاند چوروں کی طرح پانی برسانے والے بادلوں کے مکان میں نقب زنی کر رہا تھا۔ باہر آنے کے بعد ہر طرف نظریں ڈالنے لگا۔ بادل بھی بہت ہوشیار ہوتے ہیں چاند کو اپنی گود میں چھپائے سو رہے تھے۔ چاند بادلوں کے مکان میں چوری کر کے فرار ہونے کا راستہ ڈھونڈنے لگا۔

ایک تالاب کے پاس بڑے بڑے سر بفلک درخت تھے۔ جن کے پتے پھول رہے پھولے ہوئے تھے بڑی بڑی شاخوں کے پتوں پر چاند کی روشنی چھن چھن کر تالاب کے پانی میں دلفریب رقص کا نظارہ پیش کر رہی تھی۔ درختوں کے پتے نقرئی کرنوں سے جگمگا کر چاندی کے پتے معلوم ہوتے تھے ہوا مستی سے جھوم رہی تھی۔ تالاب کے اندر کمودنی۔ کنول اور کوکا بیلی بکثرت تھی۔ بعض بعض کلیاں اپنا منہ بند کئے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔ بعض آہستہ آہستہ شگفتگی کا نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ بعض ہنس رہے تھے۔ ہوا کے جھونکے پانی کو لہرا تے تھے۔ ان خوشنما پھولوں کی تمکنت کبھی متانت اور سنجیدگی سے ایک نہایت ہی پر لطف شاعرانہ نظارہ کا سماں دکھا رہا تھا۔

تالاب کے پار درخت کے نیچے بیکسی و بے بسی سے ایک نازنین سو رہی تھی چاند کی نقرئی کرنیں پر فضا کرنیں نازنین کے چہرے پر گلکاریاں کر رہی۔ اور اس کا نوخیز حسن دوبالا کر رہی تھیں ایک تو اُس کا چہرہ یوں ہی رشکِ قمر تھا۔ اُس پہ چاند کی کرنیں! گویا سونے میں سہاگے کا میل ہو گیا۔ چاند میں کلنک ہے۔ مگر اس نازنین کا مکھڑا کلنک سے پاک تھا۔ لٹیں بکھری ہوئی تھیں۔ اور وہ گہری نیند میں چور تھی۔ گو چہرہ پر رنج و غم کے آثار ہویدا تھے تاہم اُس کا حسن نہایت ہی دلآویز اور دلکش نظر آتا تھا۔ حسن اور رنگ ابھی پھیکا پڑا تھا۔

طرح اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ شیل بالا پیاس سے بے چین ہو رہی تھی۔ درد انگیز لہجہ میں بولی "زبان پڑاتی ہے ۔۔۔۔ پانی"

تارا کانت جلدی جلدی دوڑ کر تالاب سے چلو میں پانی لائے۔ اور آہستہ آہستہ شیل بالا کے منہ میں پانی ڈالنے لگے۔ اُس وقت کسی قدر طبیعت سنبھلی۔ رفتہ رفتہ اُس کی طبیعت ٹھکانے ہوئی۔ اُس وقت تارا کانت نے بیتابانہ انداز سے پوچھا "شیل! یہاں؟"

رنج و غم میں ڈوبی ہوئی شیل بالا نے کہا: "اندومتی کی تلاش میں آئی ہوں"

تارا کانت نے حیرت انگیز لہجہ میں کہا "اندومتی کیا تمہارے ساتھ نہیں؟ کہاں ہے؟" اس وقت شیل بالا نے مختصر طور پر آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ ہم دونوں جس گھر میں تھیں۔ آج کئی دن ہوئے اُس گھر کی ماں دھوری کہیں چلی گئی۔ اُس دن اُسے ڈھونڈنے کیلئے گاؤں گئی تھی۔ واپس آ کر دیکھا گھر میں اندومتی بھی نہیں ہے۔ سوچا کہ شاید پاس ہی کسی گھر میں ماں دھوری کی تلاش میں گئی ہے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر میں آ جائیگی۔ مگر اندومتی نہ لوٹی۔ گاؤں سے واپس آنے میں مجھے کچھ رات ہو گئی۔ آج چار پانچ دنوں سے برابر تلاش کر رہی ہوں۔ کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اندومتی کا حسن دیکھ کر ممکن ہے۔ کوئی نرپشاچ اُسے لیگیا۔

یہ کہہ کر شیل بالا رونے لگی۔ تارا کانت بھی شیل بالا کی بات سنکر اندومتی کے لئے دکھی اور متفکر ہوئے۔ سمجھ گئے۔ کہ اندومتی کی تلاش میں ہی شیل بالا کو طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ اور یہ بات بھی سچ تھی۔ تارا کانت نے ماں دھوری کے متعلق پوچھنا چاہا۔ مگر شیل بالا نے کہا پھر بتاؤں گی۔

تارا کانت نے کچھ نہیں کہا۔ شیل بالا کو ساتھ لے کر اپنے رہنے کی جگہ چلے گئے۔

انتیسواں باب ۲۹

ایثار محبت

سرد ہو، گرم ہو!!! بسنت آئے یا نہ آئے۔ اپنی آمد کی خبر دے یا نہ دے۔ کوئل کوکے یا نہ کوکے۔ دنیا ہنسے یا نہ ہنسے درختوں میں نئے پتے آئیں یا نہ آئیں ملستی پھول کھلیں

بادل کھلیں، اس وقت بھی سردی کا عکس گویا ہر شخص کے چہرے پر بنا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

پھاگن کا مہینہ تھا۔ پہلا پکش ختم ہو چکا تھا۔ تالا نامی گاؤں کا راستہ ایک سر بفلک برگد کے درخت کے نیچے سے ہو کر تھا۔ ایک دن دوپہر کے وقت راستہ چلتے چلتے ایک جوگی اور ایک نازنین دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ جوگی کے پیچھے پیچھے وہ نازنین تھی۔ مگر جوگی بھول کر بھی اس نازنین کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ اس نے کہا "اب تم بھی گھر لوٹ جاؤ!"

نازنین:۔ "اب گھر نہیں جاؤں گی"

جوگی:۔ نہیں جاؤ گی ۔۔۔ تو پھر؟

نازنین:۔ جانے کی جگہ کہاں؟

جوگی:۔ جیسی گھر میں تھی؟

نازنین نے پر اضطرار لہجہ میں کہا۔ "وہ گھر چھوڑ کر آپ کا ساتھ دیا ہے۔"

جوگی:۔ میرا ساتھ کیوں کیا! میرے ساتھ کہاں جاؤ گی؟

نازنین:۔ جہاں آپ جائیں گے؟

جوگی نے ٹکٹکی لگا کر تحیر آمیز انداز سے کہا۔ ہائیں! بتا تو سہی! کیا میرے ساتھ جائے گی میں جوگی ہوں۔ تم عورت ہو۔ تمہارا جوبن جوانی کا زمانہ ہے۔ جانتی ہو۔ اس عالم میں گھر سے نکلنا نامناسب ہے۔

نازنین جوگی کی بات سنکر ضبط نہ کر سکی۔ آنسو بھی نہ رکے۔ بولی "بہت دن ہوئے یہ جوبن آپ کے پاک چرنوں میں ارپن کر دیا۔ اسوقت دیا کر کے قبول کیجئے!"

نازنین کی آنکھوں سے جھرنے کے پانی کی طرح آنسو بہنے لگے۔

جوگی:۔ "چھی چھی! یہ کیا بات"

نازنین:۔ "دل کی بات! ۔۔۔ شوہر و بیوی کی بات!"

جوگی نے جھجک کر کہا "میں تمہارا کون ہوں۔ بغیر جانے سمجھے کیوں دوسرے کے پاؤں میں اپنی جان دیتی ہو؟"

میں سمجھی تھا۔ مادھوری نے بھی شوہر کو دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ [illegible]
پھر گئی [illegible] بھوگوں گی۔ مگر جوگی کی بات سنکر ـــــ جوگی کی عدم توجہی دیکھ کر اندوشیل
بالا کو باتیں کرتے چھوڑ کر راستہ میں کھڑی ہو گئی تھی۔ سوچا اگر سوامی گھر میں [illegible]
دُنیا میں رہ کر کیا کروں گی؟ شوہر کے ساتھ ہی جاؤں گی۔ مادھوری کا شوہر دُنیا کی
موہ مایا چھوڑ کر یوگ ابھیاس کر رہا تھا۔ صرف گورو کے حکم سے ایک بار مادھوری کو دیکھنے
کی غرض سے آیا تھا۔ وہ دُنیا کو چھوڑ چکا تھا۔ اسی وجہ سے اندوشیل بالا کے رُو برو عدم توجہی
[illegible] جب جوگی چلا جا رہا تھا۔ اسوقت مادھوری بھی پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔
مادھوری اپنے آپ کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر سوچنے لگی "جم! آ گئے۔ اچھا کیا۔ اتنے
دنوں بعد اس اُبھاگنی پر تمہاری نظر پڑی۔ یہی بہت کچھ ہے۔ تم میرے قدرتی خیر خواہ ہو
موقع مناسب پر آئے بڑا احسان کیا۔ جب آئے ہی ہو۔ تو ایک کام اور کرنا ـــــ میں
مرتی ہوں۔ میں اپنے شوہر کے قدموں میں پڑی ہوں۔ یہاں سے اور کہیں نہیں لیجانا۔ جم!
تمہارے پاؤں پڑتی ہوں بھاگنی کا یہ مطلب [illegible] بہت دنوں بعد یہ پاک چرن ملے!
کچھ دیر تک مجھے اپنا سر رکھنے دو۔ اور شرافت حاصل کرنے دو۔ میرے جسم میں زبردست
آگ مشتعل ہے۔

اسوقت مادھوری کی سانس کی رفتار تیز پڑ گئی جسم آہستہ آہستہ شل ہونے لگا۔ آنکھیں پتھرانے
لگیں۔ جوگی نے رقت آمیز لہجہ میں کہا۔ "مادھوری! یہ کیا آخر ـــــ"
جوگی کا جوگ ٹوٹ گیا۔ آنکھوں سے جمنا کی دھار رواں ہو گئی۔ مادھوری سوامی کی آنکھوں
میں آنسو دیکھ کر رونے لگی۔ اسوقت اُس کا گلا رندھ گیا تھا۔ صرف ٹکٹکی لگائے جوگی کو دیکھنے
لگی۔ مادھوری نے پھنسے ہوئے گلے سے بڑی مشکل سے کہا: "ناتھ جانے کا وقت آ گیا۔ اور نہیں
ٹھہر سکتی۔"

مادھوری اور کچھ نہیں کہہ سکی۔ جوگی کی طرف دیکھتے ہوئے اُس کے زانو پر سر رکھتے ہوئے
ہمیشہ کے لئے سو گئی +

ترجمہ: حیاتی بولی سے آخری وقت آگیا ۔ زیادہ نہیں ٹھہر سکتی ۔

تیسواں باب ۳۰

مایا کا روگ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ وسی مرض سے کیا پاپ پیدا ہوتا ہے؟ اسی مرض میں گرفتار ہو کر سب دن رات روتے چلاتے رہتے ہیں۔ طرح طرح کے دُکھ بھوگتے ہیں شانتی نہیں سُکھ نہیں۔ خوشی نہیں صرف غم و الم خوفناک جال سے گھیرے رہتے ہیں۔ جب نہ تب ہمیشہ مصیبت کے بادل ہمیشہ ہی دل پر منڈلایا کرتے ہیں۔ اسی فکر و تشویش میں تمام عمر گذر جاتی ہے۔ اندو مَتی کی شادی کے پہلے سوچا تھا۔ اب کوئی جنجال باقی نہیں رہیگا۔ بغیر کسی قسم کی رُکاوٹ اور رخنہ اندازی کے پرمارتھ کی کمائی کروں گا مگر ہائے وہ امیدوں کا خیالی قلعہ مسمار ہو گیا۔ دُنیا کا بے مصرُوف مایا کا بندھن شکست نہ ہو سکا۔ کشتی بابا نے میرے سُکھ کے راستہ میں کانٹا بچھا دیا۔ وہ پیارا پیارا مُکھڑا دیکھنے کی خاطر اب بھی دل بے چین ہو رہا ہے۔ کسی طرح ان آنکھوں کو وہ پیاری شکل نہیں دکھائی دیتی۔ دل اب بھی بیتاب ہے۔ ہت! کیسے مایا جال میں پھنس گیا۔ مایا کا مُنہ دیکھنے میں نہایت خوبصورت معلوم ہوتا ہے؛ مگر انجام نہایت ہی دردناک ہے۔ پہلے کیا خبر تھی۔ کہ وہ مکھڑا دیکھ کر اس طرح دام تزویر میں پھنس جاؤں گا۔

میرے تین پن گئے۔ چوتھا پن آیا۔ امروز فردا ہو میں جم کا دوت آکر ہتھکڑی لگا دیگا۔ کال کی ہتھکڑیاں نہایت ہی سنگین ہیں۔ ہائے! اسوقت بھی میری نیند نہیں ٹوٹی۔ اسوقت بھی میں مایا کی شکل میں خوبصورت پھل دیکھ کر از خود رفتہ ہو رہا ہوں۔ یہ پھل مجھے کیا فائدہ دیگا۔ رات دن اپنی جڑ میں آپ ہی کلہاڑی مار رہا ہوں۔ ہائے! ہائے! پھر وہی خیالات دل میں آنے شروع ہوئے۔ اندو ــــ شیل تم کہاں ہو۔ جان جاتی ہے ــــ تمہیں نہ دیکھنے سے میری جان جاتی ہے ــــ لوک پرلوک دونوں جاتے ہیں۔ ماں[1]۔ دونوں کل چلے جائینگے تب کہاں کھڑا ہوں گا۔ اندو شیل! آؤ تم میری ایک کل کی و کھشا کرو۔ آؤ۔ اس بدنصیب کی خستہ حالت دیکھ جاؤ۔ نہیں آؤ گی؟ نہیں سہو گی؟ بات بھی نہیں کرو گی؟ میں نے تمہارا

[1] بنگالی اپنی بیٹیوں کو پیار سے "ماں" کہتے ہیں

کیا بگاڑا تھا بیٹی نے تیرا! مرکیا قصور ہے؟ جاتے وقت مجھ سے کیوں نہ کہہ گئی؟ اگر کہتی۔ تو میں بھی تیرا ساتھ دیتا۔ تمہارے دُکھ سے مجھے بھی دُکھ ہے۔ شیل! تم ذی فہم تھی۔ تم نے کیوں ایسا کیا؟ تمہیں مناسب تھا کہ اس بدبخت کو بھی اپنے ساتھ لے جاتی۔ ہائے اس وقت تم کہاں ہو؟ یہ بدنصیب درخت کی جڑ پر بیٹھا ہوا کسقدر دُکھ اور پریشانیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ کیا نہیں دیکھو گی۔ ماں ہوکر بچے کا دکھ کا احساس تمہیں نہیں ہوتا؟

پاپ کتنا خوفناک ہے! آفات و مصائب کا خوفناک سمندر۔ پاپ کی چالیں اگاڑ ہیں۔ پرتول! تو نے کیوں اندومتی کے سُکھ کے راستے میں اپنا سر پھوڑا؟ اندو نے تیرے نزدیک کیا قصور کیا تھا؟ میری اندو۔ سادگی کی مجسم تصویر تھی۔ دھرم کی بیٹی۔۔۔ اُس دھرم کی دوجا کا تو نے کیوں قلع قمع کیا۔ اس سے کیا تیرا بھلا ہوا! بھگوان مندر کر کے لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے سے کیا ہوگا۔ کیا ایشور کی آنکھوں میں بھی دھول ڈال سکے گا۔ ہائے! اُس جنگ و جدل میں میں کیوں نہ مارا گیا۔ اگر مر جاتا۔ تو یہ دُکھ کون مجھ کو کرتا۔ بالک تو دیوتا تھے۔ سورگ گئے۔ اس پاپی کو آخری وقت میں کیا اسی لئے چھوڑ گئے تھے! اُف! بہت ہو چکا۔۔۔ اب نہیں برداشت کر سکتا۔ رام بھدر ایک سر بفلک درخت کی جڑ پر بیٹھا ہُوا اسی غور و فکر میں غوطے کھا رہا تھا۔

جسدن اندومتی و شیل بالا نے گھر چھوڑا تھا۔ اسی دن رام بھدر بھی اُن کی تلاش میں باہر نکل گیا تھا۔ مختلف گاؤں اور ملکوں کا چکر لگاتا رہا۔ مگر کہیں بھی اندومتی کا پتہ نہ چلا۔ اسی وجہ سے مایوس ہوکر درخت کے نیچے بیٹھا ہُوا انتظار آرام کے بحر بیکراں میں غوطہ زن تھا۔

اکتیسواں باب (۳۱)

ندی کی گود میں

آسمان کی نیلگوں بساط پر ستارے چوپڑ کھیل رہے تھے۔ چاند اُن کے درمیان فانوس کی طرح جگمگا رہا تھا۔ اُس نور سے منور ہوکر تمام دُنیا جیسے ہنس رہی تھی۔ ندی کا پانی صاف شفاف باطن کی طرح خم حقیقت سے سرشار ہو رہا تھا معطر و معنبر ہوائیں

کے جھکولوں سے ندی کا پانی جھوم رہا تھا۔ چاند کی تجلی ریز شعاعیں۔ اس صاف شفاف پانی
میں ایک دلفریب رقص کا نظارہ دکھا رہی تھیں۔ سرور اور وجد میں آکر ندی جیسے مستی
سے بہی جا رہی تھی

ندی کے کنارے ایک چھوٹی سی کشتی کھونٹے سے بندھی تھی۔ ملاح وغیرہ کشتی باندھ کر
اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق کنارے آ گئے تھے۔ کشتی پر صرف دو مسافر تھے۔ ایک
نوجوان اور ایک نوخیز لڑکی نوجوان ملاحوں کے آنے میں دیر ہوتے دیکھ کر کشتی کی چھت
پر چڑھ گیا۔ دیکھا رات تمام زیورات سے مانوس ہے۔ دنیا میں جیسے آنند ہی آنند بھرا ہوا
تھا۔ ندی کا پانی لہریں لے رہا تھا۔ یہ دیکھ کر نوجوان کے بھی دل میں سرور و انبساط کا جوار
آ گیا۔ آہستہ آہستہ کشتی کھول دی۔ نوجوان کو کسی قدر فن جہازرانی میں بھی دخل تھا۔
وہ چھوٹی سی کشتی ہوا کے طرب خیز جھونکوں سے ٹکراتی ہوئی دلفریب رقص کا نظارہ دکھانے
لگی۔ کشتی کو پانی کی روانی پر چھوڑ کر نوجوان خود آ کر چھت پر بیٹھ گیا۔ پانی میں چھوٹے چھوٹے
حباب اٹھ رہے تھے۔ کشتی میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ چاند کی پر فضا کرنیں۔ اسی
راستے سے کسی کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ چاند کیا اسی وجہ سے بہت خوش تھا۔ سکھی
جگانے کے لئے کتنی ہی کوششیں کیں۔ اور کتنی ہی منت و سماجت کی۔ مگر وہ نہ بیدار ہوئی
چاند نے ایک مرتبہ سکھی کے بالوں میں الجھ کر اسے جگانا چاہا۔ بالوں کے ذریعہ دل تک پہنچ
گیا۔ پکارا۔ سکھی نہیں جاگی۔ چاند ہار گیا۔ سکھی نے بازی جیت لی۔

نوجوان نیچے آیا۔ چاند کی یہ حرکات دیکھی۔ ٹکٹکی لگا کر اس سراپا نور کو دیکھنے لگا۔ چھت
پر جانا بھول گیا۔ اس کے دل پر نہ معلوم کیا خیال آیا۔ بکس کھول کر بانسری نکالی اور
چھت پر آ گیا۔ بیٹھ کر سوچنے لگا۔ وہی خدا ہے اور وہی ہستی [illegible] کی پھر وہی دلاویز [illegible]
ہے۔ کیا یہ سچ ہے۔ کہ بنسی کی دلدوز آواز سن کر چرند پرند [illegible] سوچ میں آ جاتی ہیں اس
بنسی میں ایسا کیا وصف تھا۔ کہ جمنا بھی ٹھہر کر دیکھتی تھی۔

سوچ کر نوجوان نے بانسری کو چوم لیا اور ہونٹوں سے چھو لی [illegible] تھوڑی دیر تک بانسری کی آواز
نے تمام عالم پر اپنا تسلط جما لیا۔ درختوں کے پتے تال دے دے کر ناچتے ہوئے نظر آنے

لگے۔ ہوا مستی سے جھومنے لگی۔ بڑی پُر فضا رات تھی۔

اتنے میں یکایک شیل بالا آ گئی۔ اور بولی:۔ چھی چھی اتم بڑے بیدرد ہو۔ میری نیند میں کیوں مخل ہوئے۔

نوجوان :۔ قصور کیا۔ سزا دو۔

نوجوان **تارا کانت** تھا۔

اُس تالاب کے کنارے کے واقع کے دو تز **اندومتی** کو [illegible] تھے۔ گاؤں کے گاؤں چھان [illegible] آئی سخت تکان اور متواتر جانفشانیوں کی وجہ سے یکایک **تارا کانت** کو ایک دن زور کا بخار آ گیا۔ وہ اور نہ چل سکے۔ مجبور ہو کر انہوں نے اس گاؤں میں قیام کیا۔ جہاں کشتی کھڑی ہوئی تھی **شیل بالا** کی تیمارداری اور خدمتوں سے دو تین دن میں ہی انہیں صحت حاصل ہوئی۔ وہ کشتی پر سوار ہو کر **اندومتی** کی تلاش کر رہے تھے۔ جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔ اُسی طرح کئی دنوں کی کوششوں کے بعد **تارا کانت** **شیل بالا** کا دل محبّت کی بیل کی طرح ایک دوسرے سے لپٹ گیا۔

شیل بالا نے **تارا کانت** کے ہاتھ سے بانسری لے لی اور کہا:۔ یہ دیکھو تمہیں ایسا سانپ بتا دیا ہے۔ جس کی منی نہیں۔

تارا کانت ہنسکر بولے:۔ پارس منی نے آج میری بنسی کو ہاتھ لگا۔ بانس کی بنسی سونے کی بنسی ہو گئی۔

شیل بالا :۔ ایک بار سونے کو کسوٹی پر رکھ کر دیکھو۔ تمہارے پاس کسوٹی والا پتھر ہے۔

تارا کانت نے پھر **شیل بالا** کے ہاتھ سے بنسی لے لی۔ اور دو تین مرتبہ ہونٹوں کے پاس لے گئے۔ مگر اُس بانسری میں اب وہ نغمہ نہیں نکلا۔ اسوقت **شیل بالا** نے ہنسکر کہا۔ چھی چھی [illegible] گئے۔

بانسری چھوڑ کر **تارا کانت** اسوقت **شیل بالا** سے ہنسی مذاق کرنے لگے **شیل بالا** [illegible] لیا۔ **شیل بالا** [illegible]

کوزور سے پکڑ لیا۔ اس وجہ سے شیل پانی میں نہیں گری۔
اسوقت تارا کانت نے دیکھا کشتی پانی کی رو میں بہت دور نکل گئی ہے جلدی جلدی ڈانڈ چلاتے ہوئے کنارے لانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن ناکامیاب رہے۔ یہ دیکھکر شیل بالا نے ہنستے ہنستے کہا۔ ملاح مہاشے! میں ڈانڈ چلا دوں؟ تارا کانت نے ہنستے ہوئے کہا۔ ملاح کی بیوی! ڈانڈ نہیں چلانا ہوگا۔ صرف پال کو کھینچ لو۔ ایسا کر سکوگی؟
کشتی کا مستول ٹھا ہوا تھا۔ اور ایک پال بھی پڑا تھا جو کہ مستول سے ملا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر شیل بالا نے کہا۔ خوف نہیں اگرچہ جہازرانی نہیں معلوم تو ملاحی کیسے کرتی ہوں۔
شیل بالا نے ماجھی کو پال اٹھا کر دکھا دیا۔ بغیر کسی دقت و تکلیف کے وہ کامیاب ہوئی۔ اس وقت کشتی بادموافق کے جھکولے کھاتی ہوہو کا نغمہ الاپتی ہوئی چلنے لگی تارا کانت نے کشتی کی روانی دیکھ کر کہا۔ مجھے اس قسم کا ایک ہوشیار ملاح رکھنا پڑے گا تاکہ اندھی وطوفان کے موقع پر بھی کسی مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔
شیل بالا نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا:۔ ایسے نرگن ماجھی کے پاس اچھا ملاح کیوں آنے لگا میں جو آئی ہوں وہ صرف پرانوں کے دوش سے
تارا کانت نے ہنستے ہوئے کہا:۔ تنخواہ زیادہ دینے پر بہت سے آئینگے۔ تمہارے پرانوں کا دوش کیا اس سے بھی زیادہ ہے؟
شیل بالا:۔ زیادہ دوش سمجھ کر ہی تو آئی ہوں۔ صرف تنخواہ کے لئے نہیں آؤں گی۔
تارا کانت:۔ کیوں نہ آؤگی؟
شیل بالا نے ہنسکر کہا:۔ نرگن ماجھی کے ساتھ رہ کر کون اپنی جان دینے آئیگا۔ سب کو اپنی اپنی جان کا خوف رہتا ہے۔ بالخصوص تم آندھی پانی میں کرایہ لوگے ہی نہیں۔ پھر اس کی پرورش کیونکر ہوگی۔
تارا کانت نے مسخرآمیز لہجہ میں کہا:۔ اگر کسی کو اپنی جان کا خوف نہیں ہے۔ تو وہ صرف تمہاری شیل بالا کو۔
دم بھر کے دم میں کشتی موقع پر پہنچ گئی۔ تارا کانت اور شیل بالا کی گفتگو کا بھی خاتمہ ہوا۔

بتیسواں باب ۳۲

وہی دو شخص

انند پور کے باہری حصے میں ایک بہت بڑا بھیانک جنگل تھا۔ اسی جنگل کے اندر ایک بڑ کا ایک سربفلک درخت تھا۔ اس کی شاخیں بہت بڑی بڑی تھیں۔ اس کے سایہ میں راہرؤں کو بہت آرام ملتا تھا۔ وہ درخت اسقدر گنجان تھا۔ کہ کوے بھی چھپ جاتے تھے تو پتہ نہیں چلتا تھا۔ اسی درخت کے نیچے ایک نازنین بیٹھی ہوئی تھی جسم پر سوائے ہڈیوں کے گوشت کا نام و نشان نہیں تھا۔ گلے میں جوتوں کا ہار پڑا ہوا تھا۔ سر جھکائے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ اور اپنی زندگی کے واقعات پر غور کر رہی تھی۔ سوچتی تھی زبردست بندھن ہے۔ کھول نہیں سکتی۔ مگر آزادی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اس جد و جہد میں چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔ وہ آواز درختوں کے پتہ پتہ سے ٹکرا کر پھر آواز بازگشت کی صورت میں گونج اٹھتی تھی۔ یکایک کسی نے تمسخر آمیز انداز سے یہ شعر پڑھا

مدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ٭ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

یکایک یہ آواز سنکر عورت چونک اٹھی اور چاروں طرف تیز نگاہوں سے دیکھنے لگی دیکھا ایک شخص شاخ پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پاؤں نیچے لٹک رہے ہیں۔ اس کی کرخت نگاہیں اسی عورت کی جانب تھیں۔ ذرا دیر بعد اس نے درخت سے ایک ٹہنی توڑ کر نیچے گرائی۔ اور پھر کچھ کہنے لگا۔

عورت نے آواز پہچان لی ــــ پکار اگر اس شخص نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف پتوں کی آڑ میں چھپا ہوا اندر سے شاخیں ہلاتا رہا۔ بیچ بیچ میں طعنہ زنی بھی کرتا جاتا تھا عورت بہت دیر تک یہ طعن آمیز الفاظ سنتی رہی۔ بعد ازاں بولی۔ پرتول! اب زیادہ نہ کہو۔ تمہاری یہ تمسخر آمیز گفتگو اس وقت میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔

یہ عورت گومتی تھی گومتی راجے مہاشے کو مصیبت میں ڈال کر خود اپنے پاپ کا پرائشچت کر رہی تھی۔ راجے مہاشے نے ہی اس کی یہ گت بنوائی تھی۔ اور گاؤں سے باہر

نکلوا دیا تھا۔ جو دیکھتا تھا۔ تالیاں بجاتا تھا۔ اور فقرے چست کرتا تھا۔ یہ سب برداشت نہ کر سکتے پر وہ اس جنگل میں چلی آئی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا۔ کہ پرتول اسی جنگل میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ گورمتی نے چھپ چھپ کر ہر چند پرتول کی تلاش کی تھی۔ شاید اب زندگی میں اُس سے ملاقات نہیں ہوگی۔ اس میں بھی اُسے شک نہیں تھا۔ اُس نے سوچا تھا۔ کہ پرتول سے ملاقات ہونے پر اُسے ساتھ لے کر ہمیشہ کے لئے آنند پور گاؤں چھوڑ کر کسی دور دیس میں چلی جاؤں گی۔ مگر گورمتی کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اگرچہ جنگل میں آج ملاقات بھی ہوئی۔ تاہم پرتول نے آنکھ اُٹھا کر اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ اُس کی باتیں سُنکر غصہ میں آگیا۔ کرخت لہجہ میں کہا۔ "پاپی! یہاں سے دور ہو——"

پرتول بھی دنیے جانے کے خوف سے یہاں آچھپا تھا۔ گورمتی کی حالت دیکھ کر ڈر گیا تھا اُسے خوف تھا۔ کہ کہیں وہ اُسے بھی نہ گرفتار کرا دے یہ پرتول کی خام خیالی تھی۔ گورمتی کی یہ خواہش ہرگز نہیں تھی۔

پرتول کی یہ باتیں سُنکر گورمتی کے دل میں جیسے آگ لگ گئی۔ شرربار نگاہوں سے دیکھ کر۔ "پرتول! میں پاپی ہوں ہی۔ مگر تیری طرح محسن کش لپاچ نہیں۔"

پرتول کا غصہ اور بھی تیز ہوا۔ وہ بھی سُلگتی ہوئی آگ کی طرح بھبھک اُٹھا۔ بولا۔ "بدبخت! آج تیرے نصیب میں کچھ——" فرط غضب سے وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ ہونٹ تھرّانے لگے۔

گورمتی اسوقت چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح پھنکار کر بولی "کمبخت! میرے نصیب میں نہیں۔ تیرے نصیب میں!!"

غصہ میں بھرے ہوئے پرتول نے ایک شاخ توڑ کر زور سے گورمتی کے سر پر ماری گورمتی اُس چوٹ کی تاب نہ لا سکی۔ اُس کے دل میں وہ پرانا عہد تازہ ہو گیا۔ دانت پیستی ہوئی شرربار لہجہ میں بولی۔ "خبردار! معلوم ہوتا ہے تیرا آخری وقت آگیا۔"

یہ کہہ کر وہ پھر غضبناک نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ پرتول نے پھر ڈال ملاتے ہوئے تمسخر آمیز لہجہ میں کہا۔ "سچ ہے۔ جنم جلی۔ سچ ہے۔"

جیسے ہی اُس نے یہ بات کہی۔ ویسے ہی شاخ پھٹ گئی۔ اور پرتول زمین پر آگرا۔ گورمتی سامنے آئی دیکھا۔ ایک شاخ پرتول کا سینہ چھید کر خون کا فوارہ بہا رہی ہے۔ ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں ٹوٹ کر باہر آگئی تھیں۔ ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی۔ جان نکلنے میں تھوڑی دیر تھی۔

اُس وقت گورمتی عجیب و غریب ہنسی ہنسنے لگی۔ اُس کی آنکھوں سے چنگاریاں برسنے لگیں۔ زور سے پرتول کے سینہ پر لات ماری۔ بعد ازاں کڑکتی ہوئی آواز میں بولی: جلموہر دیکھ! گورمتی کی پرتگیا دیکھ!!

یہ کہہ کر وہ پھر اپنے پاؤں سے اس کا سینہ دبانے لگی۔ راکھشسی گورمتی ایسی کیا پرتگیا پالن ہے۔

جاں بلب پرتول نے دھیمی آواز سے کہا:۔ میں جہاپاپی ہوں۔ مجھے اپنے پاپ کا پھل مل گیا دیکھتے دیکھتے پرتول کی پاپی روح پاپی جسم کو چھوڑ کر کسی لامعلوم دیس کو چلی گئی۔ کچھ دیر بعد گورمتی اُس وقت ہنستے ہنستے جنگل کے اندر داخل ہوئی۔

تینتیسواں باب ۳۳

یہ کیسے کھیل ہیں؟ پانی میں بلبلے اُٹھتے ہیں۔ پھول ہنستا ہے۔ حباب اُٹھتا اور پھوٹتا ہے۔ پھول ہنستا ہے۔ اور مُرجھا کر خاک میں مِلجاتا ہے۔ کچھ عجیب ہے۔ جو سمجھ میں نہیں آتا جو سمجھ سکتا ہے۔ وہ کیوں اس بیلا کے سنسار میں زندگی کی آہوتی دیتا ہے۔ ہمارا خیال ہے۔ اس کھیل میں بے شمار تکالیف ہیں۔ ہر شخص یہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے سب اس کھیل میں دلچسپی لینا پسند نہیں کرتے۔ یہ سب کیا سوچ رہے ہیں۔ اتنی بات نہیں سوچتا۔ یہ کیا کر رہے ہیں؟ خیر اب اپنی بابت ہی غور و فکر کر سکیے۔

کہاں آگئے دکیا ہے کیا ہو گیا؟ پاگلوں طرح بالکل پاگل! مگر اس حالت میں بہت بہتر ہوں دُنیا کے دُکھ۔ شکھ۔ رنج و غم۔ برا بھلا۔ غرض کسی کی خبر نہیں۔ کسی سے واسطہ نہیں۔ انسانی زندگی کی حقیقت سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ اس لوک سے جیسے میرا کوئی تعلق ہی نہیں۔ پانی کی

[illegible]

[illegible] ہمیں سمجھ میں کیا فرق ہے یہ نہیں کہہ سکتا [illegible]

—— پر اُپکاری مہاتما نے دیا کے جذبہ سے متاثر ہو کر مجھے بچا لیا۔ جب ڈوب گیا تھا۔ تو پھر کیوں نکال لیا؟ بچا یا تھا۔ تو پھر جسے چاہتا ہوں۔ اُسے کیوں نہیں پاتا؟ اس بچانے سے فائدہ کیا؟ زندگی تو ضرور مِلی۔ مگر شانتی اور سُکھ کیوں نہیں مِلا۔ رنج و غم کی آگ میں جل رہا ہوں۔ اس وقت کی آگ پچھلی آگ سے بھی زیادہ تیز تر اور مُشتعل معلوم ہوتی ہے۔ اندومتی کی تلاش میں جب تک سرگرم رہا۔ اُس وقت تک کسی قسم کے دُکھ درد کا احساس نہیں ہُوا۔ اندومتی نے میرے دل پر اچھی طرح اپنا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اور یہ دل اُس کی سلطنت کا تخت بن گیا تھا۔ ہائے! آج وہ سلطنت کہاں گئی؟ اور وہ راجہ کہاں گیا؟ رنج و غم اور شورو شر کے دریائے بیکراں [illegible] بہتا جا رہا ہوں۔ دیکھو وہی نیلگوں آسمان ہے۔ وہی صاف شفاف منور چاند ہے اور وہی اُس کی تھرکتی ہوئی روشنی! وہی کوئل کی دلدوز کوک اجنتا کے پہاڑ میں وہی پُر سرور نغمہ نکل رہا ہے۔ سب کی حالت یکساں ہے۔ مگر میرا کچھ نہیں ہے۔ اس دُنیا میں جس کا کچھ نہیں ہے۔ اُس کے دل میں کس قدر سوز ہو گا۔ اُس کی تکالیف کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ ایک شخص کی عدم موجودگی سے زندگی کے تمام مزے کرکرے ہو رہے ہیں۔ خیال تھا۔ کہ میرا سُکھ کا سمندر صاف شفاف اور ٹھنڈے پانی سے لبریز ہے۔ تشنگی سے جاں بلب ہو کر اُس میں پیاس بجھانے کے لئے گیا۔ مگر ناکام واپس آیا۔ دیکھا کہ سمندر کے سینہ میں زبردست آگ شعلہ زن ہے۔ بیم و ہراس سے دل دھڑک اُٹھا۔ پانی کی موجودگی میں بھی جب اپنی تشنگی رفع نہ کر سکا۔ تو میرے زندہ بچنے سے کیا فائدہ؟ کیا اُس کی بھی خواہش تھی۔ کہ میں اس طرح کرُھتا رہوں۔ جو رنج و غم برداشت نہیں کر سکتا۔ اُسے گرداب بلا میں ڈال دینے سے کیا فائدہ؟ نہ معلوم کس پچھلے کرم کے پھل سے یہ حقیر دل آج چتا کی آگ میں جل رہا ہے۔

ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے نریندر ناتھ اسی قسم کے خیالات میں غوطہ زن تھے۔

خیر! نریندر ناتھ تھوڑی دیر بعد وہاں سے اُٹھے دم بھر کے لئے بھی کہیں آرام نہیں ملا۔

اسی خیال سے جلدی جلدی چلنے لگے۔ راستہ کی تکالیف اور مشکلات کی ذرا بھی پرواہ نہ کی

ذرا دور چلنے پر ایک گاؤں نظر آیا — اُس سے دھُو دھُو کا نغمہ [illegible] اور ایک
سنسان لق و دق میدان بھی جس میں سے بھی آواز آرہی تھی۔ جسے طے کرنے پر جیسے
اندومتی انھیں مل جائے گی اسے سینہ سے لگا کر ہی ان کی تمام تکالیف کا خاتمہ ہو جائے گا۔
عرصۂ دراز کے دُکھ کے بعد سکھ نصیب ہوگا۔ اس قسم کے خیالات میں غوطہ لگاتے ہوئے
وہ کتنی ہی دور پہنچ گئے۔ کتنے میدان اور جنگل چھوڑ کر وہ وہاں پہنچے۔ اس کا شمار
نہیں۔ بہت دور پر ایک درخت تھا۔ انھیں امید تھی۔ یہاں ہی ہوگی۔ نریندر انہی خیالات
میں مستغرق تھے۔ اور درخت کی طرف قدم بڑھائے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ وہ تکان سے چور
چور ہو رہے تھے۔ رفتار بہت سست پڑ گئی تھی۔ جھجک جھجک کر آہستہ آہستہ قدم
دھرتے تھے۔ شاید اس خوف سے کہ کہیں ان کے پاؤں کی آہٹ پاکر اندومتی بھاگ جائے
مگر ہائے! درخت کے پاس پہنچنے پر بھی اندومتی نظر نہ آئی۔ چاروں طرف مایوسانہ نگاہوں
سے دیکھنے لگے کبھی کبھی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگتا تھا۔ کبھی کبھی آنسو پونچھتے
پونچھتے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگ جاتے تھے۔

یکایک نہ معلوم کون پیچھے سے بول اُٹھا۔ نریندر! کیا دیکھ رہے ہو۔

نریندر نے دم بھر میں دُنیا چھان ڈالی۔ مگر کہیں بھی پتہ نہ چلا۔ بالآخر دل میں تلاش کرنے
لگے۔ وہاں دیکھا کہ اندومتی کی مورتی براجمان ہے۔ نریندر بیخودی سے یوں بول اُٹھے:
اندومتی کو —

آواز آئی — "اندومتی کے چرنوں میں تمہیں وشواس ہے؟"

نریندر ناتھ نے آرزومندانہ لہجہ میں کہا۔ اچھی طرح سے!

پھر وہی آواز سنجیدہ لہجہ میں آئی۔ خبردار! اب بھی کہتا ہوں۔ پھر دل سے پوچھو۔ تم

نریندر ناتھ مایوس ہو گئے۔ بات کاٹ کر بیتابانہ انداز سے بولے — بتاؤ اندو
کہاں ہے؟

ایسا معلوم ہُؤا۔ جیسے اُس نے ہنس کر کہا " تم پاگل ہو۔ اسقدر بیتابی سے کام کیونکر چلیگا ؟"
نریندر کو غصہ آ گیا۔ نہایت ہی کرخت لہجہ میں بولے :۔ تم انسان ہو۔ یا دیوتا ہو۔۔۔۔۔ تم جیسا خراب آدمی کوئی اور دُنیا میں نہیں ہے۔ پوشیدہ رہ کر میرے ساتھ چھل کر رہے ہو اگر سامنے ہوتے تو تمہارا سر پھوڑ دیتا۔ اُسوقت معلوم ہوتا۔ کہ نریندر ناتھ کے جسم میں کتنی طاقت ہے ؟"

پھر وہی آواز آئی " بس نریندر! جس کے دل میں استقلال نہیں۔ وہ کیا انسان ہے ؟
نریندر ناتھ کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا۔ ایسا معلوم ہُؤا۔ جیسے یہ آواز پہلے بھی سُنی ہے تھوڑی دیر تک خاموشی کے ساتھ فکر کرنے لگے۔ مگر فکر کرنے کے باوجود بھی کچھ پتہ نہ کر سکے کبیدہ خاطر لہجہ میں بولے :۔ " میں پاپی ہوں میرا قصور معاف کرو۔ آپ کے پاؤں پڑتا ہوں دیا کر کے مجھے اندومتی سے ملنے کی تدبیر بتا دیجئے۔ ورنہ درد و غم کی آگ میں جلتے ہوئے دل کو اسی ندی کے پانی میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گا۔

" عہد کر سکو گے ؟"

" کر سکونگا "

" عہد کو شکست تو نہ کرو گے "

" جان رہتے ہوئے ہرگز نہیں "

" کبھی اندومتی کا تیاگ تو نہیں کرو گے ؟"

" نہیں "

اُسی وقت وہی آواز آہستہ لہجہ میں آئی۔ " بس نریندر! تھوڑی دور پر ــــ گانوں میں ــــ ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی ہے۔ وہاں جانے پر اندومتی کو دیکھ سکو گے اندو کا پاک دل ہرگز نہ دکھانا۔
آواز رُکی۔ نریندر ناتھ نے دیکھا۔ اُن کے سامنے شیو کی سی مورتی براجمان ہے۔ دیکھتے ہی پہچان گئے۔ بول اُٹھے " یہ کیا؟ یہ کیا؟ مہاراج! تم ــــ تم ــــ "
یہ کہتے کہتے نریندر ناتھ کو غش آ گیا۔ کانپتے کانپتے اُن کے چرنوں پر کٹے ہوئے درخت

کی طرح گر پڑے۔ اسوقت وہ زبردست شخصیت بھی معدوم ہوگئی۔ یہی مہا پرش نریندر ناتھ کے جیون داتا تھے۔

چونتیسواں باب

بستر موت

ایک معمولی مکان میں ایک تنگ کمرہ تھا۔ اُس کی حالت نہایت خستہ و بوسیدہ تھی۔ دروازے میں کواڑ تک نہیں تھے۔ جا بجا کوڑا پڑا تھا۔ تمام مکان میں عفونت تھی۔ شاید دوزخ سے بھی زیادہ! کمرے میں گودڑی کے ٹکڑے جا بجا بچھے تھے۔ اور اس پر ایک عورت پڑی ہوئی تھی۔

عورت کی حالت نہایت خوفناک تھی۔ جسم پر گوشت کا نام نہیں۔ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ تمام بدن سیاہ پڑ گیا۔ گالوں میں گڑھے پڑے تھے۔ آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی تھیں مگر اُن میں ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی سی روشنی تھی۔ اُن آنکھوں سے گرما گرم آنسو ٹپک رہے تھے۔ رہ رہ کر خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ گلا رندھا ہوا تھا۔ اور روح قفس عنصری کی قیود سے آزاد ہونے کے لئے سرگرمی دکھا رہی تھی۔ وہ زیادہ تر بیہوشی کی حالت میں رہتی تھی۔ خواہش کرتی تھی۔ کہ ہوش و حواس قائم رہیں۔ مگر کامیاب نہ ہوتی تھی۔ بڑی سخت تکلیف تھی۔ دوزخ کی تکالیف شاید اس سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہونگی۔ بیہوشی کی حالت میں اسے ایسا احساس ہوا۔ جیسے وہ کال ساگر کی ترنگوں میں غوطے کھا رہی ہے۔ اور کہیں پناہ نہیں ملتی۔ ایسا بحر بیکراں جس کی تھاہ نہیں۔ کنارہ نہیں۔ پناہ کہاں ملتی؟ لہروں کے تھپیڑے سے تمام بدن زخمی ہو رہا تھا۔ تمام میں پانی بھر گیا۔ کانوں میں ہو ہو کی ہیبتناک آواز آنے لگی۔ پانی پیتے پیتے پیٹ پھول گیا۔ اور وہ خود غوطے کھانے لگی۔ بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ کسی طرح اُس نے سانس لیا۔ تکلیف سے روتے روتے آنکھیں پھول آئیں۔

یکایک عورت نے کچھ دیکھا۔ اُن ہیبتناک لہروں کے اندر ایک چھوٹی سی کشتی ہے۔ جو بہت خوبصورت نظر آتی تھی۔ اگرچہ پانی کا بہاؤ نہایت جوش و خروش پر تھا۔ پھر بھی کشتی پرسکون تھی۔

اس کشتی میں کتنے ہی خوفناک لوگ تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک ایک نیم سوختہ بانس کے ٹکڑے تھے۔ اور وہ انھیں سے کشتی چلاتے ہوئے عورت کے پاس آئے۔ آتے ہی ایک بانس عورت کے بالکل قریب ہی پھینک دیا۔ عورت نے اس بانس کے ٹکڑے کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس بانس کا پکڑتے ہی ایک موٹی "ہی ہی" کرکے ہنسنے لگی اور بانس چھین لیا۔ عورت پناہ کی جگہ نہ پاکر پانی میں غوطے کھانے لگی۔ غوطے کھاتے کھاتے اس نے اندازہ لگایا جیسے اس کی روح جسم کو چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ واقعی جیسے وہ مر گئی تھی۔ اگر مر گئی تھی۔ مگر پھر بھی شانت نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ کہ اس کا تمام جسم پانی سے پھول گیا ہے۔ کتنے ہی کتے۔ لومڑی۔ گدھ اور کوے اس جسم کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور نہایت ہی بیدردی سے کھا رہے ہیں۔ عورت یہ سب دیکھ کر چونک اٹھی۔

اس نے یہ بھی دیکھا۔ کہ کچھ دیر بعد وہی خوفناک لوگ آپس میں ملکر اس کی روح کو لے چلے۔ کہاں؟ بالکل تاریک مقام میں۔ جوں جوں وہ لیجا رہے تھے۔ توں توں تاریکی اور بھی بڑھتی جاتی تھی۔ اُس ظلمت میں کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ اس گھٹا ٹوپ تاریکی میں وہ لوگ کیونکر جاتے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ گویا ہر چہار طرف تاریکی کا پردہ پڑا تھا۔ دائیں۔ بائیں۔ اونچے نیچے آمنے سامنے غرض چہار طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا تھا۔ تاریکی ناچ رہی تھی۔ یہ رہی تھی یکایک اس تاریکی میں بجلی چمکی۔ عورت نے اس کی روشنی میں پھر دیکھا۔ سامنے زبردست آگ مشتعل ہے۔ اس پہ ایک بڑا کڑاہ چڑھا ہوا ہے۔ اور تیل کھول رہا ہے۔ ابل رہا ہے۔ اور اس میں انسان کی کتنی ہی لاشیں جلتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ ایک طرف لوہے کی گرم گرم سرخ سلاخیں نظر آ رہی تھیں عورت کو دکھانے کے لئے وہ لوگ وہی سلاخیں لا رہے تھے۔ وہ عورت کی پریت آتما کو چھین کر اسی کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ اور انہیں گرم گرم سلاخوں سے عورت کا جسم چھید چھید کر اس کھولتے ہوئے تیل میں غرق کرنے لگے۔ "ہائے! جان گئی! جان گئی!! رکھشا کرو رکھشا کرو" پیٹتے ہوئے وہ بے چینی سے تڑپتی ہوئی چیختے چلانے لگی مگر یہ درد بھری آواز کسی کے کانوں تک نہ پہنچی بلکہ وہ ہیبتناک صورتیں بڑے بڑے دانت نکال کر مضحکہ خیز ہنسی ہنسنے لگیں۔

پھر بجلی چمکی۔ دیکھا۔ اسی کڑاہ کے پاس جیسے پرتول کھڑا ہے۔ کھڑا کھڑا وہ بھی ہنس رہا تھا۔ اسکی

... تالیاں بجاتا تھا - اور ناچتا تھا - عورت نے پرتول کو دیکھ کر ... کی حرکت ...
پرتول نے یہ بات نہ سُن کر بھویں تیڑھا لیں - اور شرر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا -
یکایک گورمتی کی نیند ٹوٹی - دیکھا ——— پاس کوئی بھی نہیں - خوف سے تمام جسم ہوا سے
ہلتے ہوئے پتّے کی طرح تھرتھر کانپ اُٹھا - کانپتے کانپتے پھر غش آگیا ——— پھر ... ایک
نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا -

۳۵ پینتیسواں باب

کنگن پور نامی گاؤں کے پاس ایک پُرانا جنگل تھا - یہ نہایت ہی دلکش اور پُرفضا تھا -
طرح طرح کے پھل دار درخت تھے - قدرتی خوشنما بیلیں بھی بکثرت تھیں - لوگ آتے
جاتے بھی تھے ... - اسی جنگل میں ایک دُبلی پتلی نازک اندام نازنین نے
آکر پناہ لی تھی - ہڈیوں کے سوا گوشت و پوست کا نام تک نہیں تھا - خوبصورت بالوں
کے گچھے رُوکھے پھیکے نظر آرہے تھے - لباس تار تار تمام بدن میں بھبھوت ملی ہوئی تھی - کھانے
پینے کے لئے وہ گاؤں میں نہیں جاتی تھی - جنگل کے قدرتی پھل پھول سے زندگی کے دن
بسر کر رہی تھی -

شام نے تاریکی کا لباس زیب تن کیا تھا - اُس کا عکس درخت اور درخت کے پتّوں
پتّوں پر پڑ رہا تھا - ایسے وقت میں ... ایک کھڑکی کے پاس آکر بیٹھ گئی -
کھڑکی کے سامنے ایک درخت تھا - جس کی شاخ پھولوں سے لدی تھی اُسے دیکھ کر ایسا معلوم
ہوتا ہے - جیسے پھول کھلکھلا کر ہنس رہے ہیں - نازنین کو وہ ہنسی بہت پسند آئی - مگر اس نے
دیکھا - کہ ایک کھلا ہوا پھول مُرجھا کر زمین پر گر پڑا - سوچنے لگی تمام کلیاں کھلتی ہیں ہنستی ہیں
اور ہنس کر پھر خاک میں کیوں ملجاتی ہیں ! اُن کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے - پیارا پیارا دلاویز
تبسّم - نازک پنکھڑیاں ، اور حُسن کی ملاحت میں نہایت ہی دلکش نکھار ہے - مگر یہ سب
تھوڑی دیر کے لئے ! کوئی جی بھر اسے نہیں دیکھنے پاتا - خود بخود پھولتا ہے - اور خود ہی مرجھا
کر خاک میں ملجاتا ہے - ایسا کیوں ہے ؟ اگر اور تھوڑی دیر تک شگفتہ رہ کر اپنی بوئے خوش سے

باغ میں [illegible] تو اس میں [illegible] ! تم نے بھی کیا میری طرح کسی کے دل کو چوٹ پہنچائی ہے۔ اور اسی لئے تمہارا تیاگ کیا گیا ہے؟ الفت [illegible] تمہیں یوں [illegible] ساتھن بھی کیا سکھ ہے؟ بلکہ کچھ دیر تک قیام پذیر ہو کر خود ہنسکر کسی دوسرے کو بھی ہنسا کر لئے تو اس سے ایک [illegible] سکھ ملتا۔ ابھی آئے۔ ابھی گئے۔ ایسا کیوں تم نے [illegible] کیا کسی کی ناقابل برداشت تکلیف تھی۔ تکلیف پاتے ہی کیا یکدم مرجھا کر خاک میں مل گئے؟ میں تو مصیبتیں اٹھا کر امیدوں کے سبز باغ دیکھنے کی خواہش میں زندہ ہوں۔ تم کیوں نہ ٹھہرے؟ سمجھ گئی تم زندگی کی شوخیاں اور بانکپن کا اظہار کرنے آئے تھے۔ بادل میں شوخیاں ہیں۔ اور تم بھی شوخ ہو۔ بجلی اور لہریں سب شوخی سے بھرپور ہیں۔ میرا دل بھی چنچل ہے۔ پھر کیوں اس زندگی کا خاتمہ نہیں ہوتا؟ پھول! تم جس راستہ میں گئے ہو۔ میری دکھ سے بھری ہوئی زندگی بھی کیوں اسی راستہ میں نہیں جاتی؟ چھی! میں تمہاری طرح اس سنسان جنگل میں مرنا پسند نہیں کرتی۔ مرونگی تو انھیں کے پاک قدموں میں! جو ان قدموں میں اپنا مایۂ زیست نثار کر سکتا ہے وہی [illegible] تک سورگ کا بھوگ کرے گا۔ کیا تیری ایسی قسمت ہوگی؟

اندومتی نے اسوقت ایک گہرا سانس لیا۔ سینہ پر موتیوں کی لڑی کھیلنے لگی۔ آنکھوں کے آنسو پونچھ کر پھر سوچنے لگی۔ اسوقت وہ کہاں ہیں؟ کیا میری یاد کرتے ہونگے؟ میں کلنکنی ہوں مجھے کیوں [illegible] یاد کرینگے؟ معلوم ہوتا ہے۔ بھولنے کی کوشش کرتے ہونگے۔ گھر چھوڑنے پر ایک دن بھی تو یہ دل نہیں رہا۔ ہمیشہ اس دل میں برہ کی آگ جلتی رہی اس دکھ کا کیا خاتمہ نہیں؟ وہ تو شگفتہ پھولوں کے درخت کے نیچے بیٹھ کر بہت مسرور ہوتے تھے۔ چاند نکلنے پر اس کا کلنک دیکھ کر کس قدر تمسخر کرتے تھے تارا ٹوٹتے دیکھ کر کہتے تھے۔ اندو! گھر کے اندر جاؤ۔ یہ دیکھو۔ چاند تمہارا منور چہرہ دیکھ کر حسد سے تمہیں لینے کے لئے سورگ کے دوت بھیج رہا ہے۔ جب پرند کہتا "بہو بات کہو" تب ہنستے ہنستے کہتے۔ اندو! خبردار! ابھی باتیں نہ کرنا۔ دیکھو پرندہ کہیں نظر نہ لگا دے۔ یہ کہتے کہتے وہ اپنی پیاری نازک انگلیوں سے میرا منھ بند کر دیتے تھے کسی طرح بھی بات نہ کرنے دیتے تھے۔ پھولوں کی ہنسی انہیں پسند نہ آتی تھی۔ کہتے تھے۔ پھول اگرچہ تو نے اندو کی مسکراہٹ چرالی ہے۔ مگر پھر بھی اندو کی یہ مسکراہٹ میں نہ

معلوم کیسے کیسے دلگداز انداز ہیں۔ میں شرم سے پانی پانی ہو جاتی تھی۔ اسوقت بھی کتنے ہی پھولوں سے لدے ہوئے درخت نظر آ رہے ہیں۔ مگر انہیں دیکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اسوقت بھی چشمہ میں کلکل ہے۔ اب بھی تارے کھلتے اور ٹوٹتے ہیں۔ پرند نغمہ سرائیاں کرتے ہیں۔ پھول ہنستا ہے۔ مگر وہ تو اُسی طرح اسی ابھاگنی سے کچھ نہیں کہتے۔

اس طرح سوچتے سوچتے اُس کی حالت ہو بہو ویسی ہی ہو گئی۔ جیسی ماں کی بچے کے جدائی میں ہوتی ہے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دل مایوس ہو گیا۔ کلیجہ میں جیسے کوئی چٹکیاں لینے لگا رفتہ رفتہ سسکیاں بھرنے لگی۔ بہت دیر تک اسی طرح تڑپتی رہی آہستہ آہستہ بیقراری دور ہونے لگی۔ اس کے بعد پھر سوچنے لگی۔ بہت اچھا کیا۔ یہاں رہنے پر بھی ایک طرح اچھی ہی ہوں۔ میرے لئے شیل بالا کیوں تکلیف اُٹھائے گی۔ میں بھی اُسے تکلیف کیوں پہنچاؤں گی اُس سے کہکر نہیں آئی۔ اچھا کیا۔ اگر بتاتی۔ تو نہ آسکتی۔ شیل بالا دوسروں کا دُکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اپنے دل کو اندر پوشیدہ رکھ کر دوسروں کی تکلیف دُور کرنے کی کوشش میں ہمیشہ سرگرم رہتی ہے۔ ایسی شیل بالا سے کہکر کیا آسکتی تھی۔ کبھی نہیں۔ اگر اُس سے ذکر بھی کرتی تو نہ معلوم وہ کس قدر سمجھاتی بجھاتی۔ نہیں کہا یہ بھی اچھا کیا۔ شیل بالا اب سُکھی ہو سکیگی وہ اپنے سُکھ کا راستہ اسوقت خود ہی تلاش کرے گی۔ میں اُس کے سُکھ کی راہ میں کانٹا ہوئی تھی۔ ایشور سے پرارتھنا کرتی ہوں۔ کہ شیل آج ہی سُکھ کا مُنھ دیکھے۔ میرے ساتھ رہنے سے وہ ہمیشہ درد غم کی آگ میں جلتی رہتی۔ اپنے سُکھ کے لئے دوسروں کو دُکھ دینا کیا مناسب ہے شیل بالا نے میرے لئے کیا کم دُکھ اُٹھایا ہے؟ میرا دُکھ دُور کرنے کے لئے اُس نے بھوک پیاس۔ سردی۔ گرمی۔ خشکی۔ تری۔ غرض بڑی بڑی آفتوں کا سامنا کیا۔ میں کس طرح سُکھی ہونگی۔ وہ اسی فکر میں رہتی تھی۔ دھنیہ ہے۔ شیل بالا کی پُر اُپکاری زندگی پر دھنیہ ہے بھگوان ضرور اُس کا منورتھ پورا کریں گے

یکایک ایک بڑا کیڑا چھوٹے سے کیڑے کی طرف مُنھ کئے اندومتی کے پاؤں کے پاس سے پیچھے ہٹنے لگا۔ اندومتی کی نگاہ اُس پر پڑی۔ وہ جیسے ہی اُس کیڑے کو پکڑنے چلی ویسے ہی وہ چھوٹا کیڑا آ گیا۔ اندومتی اُسے اُڑتے دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنے آنچل کی نوک سے

اسے سینچ کر دیا۔

چھوٹے کیڑے نے اس بڑے کیڑے کو چھوڑ دیا۔ اور اندومتی کے ہر چہار طرف اُڑ اُڑ کر دیکھنے لگا۔ اندومتی کیڑے کو پاکر بہت خوش ہوئی۔ اور اُسے چومنے لگی۔ کبھی اڑانے کی فکر کرتی تھی۔ مگر چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اُس میں اڑنے کی پوری پوری طاقت ابھی نہیں آئی تھی۔ کیڑے کو پاکر وہ اپنے تمام خیالات بھول گئی۔

ناظرین! یاد ہوگا۔ کہ شیل بالا نے اکاشت سے کہا تھا۔ شاید اندومتی کو کوئی لے گیا۔ اُس کا یہ قیاس بالکل غلط تھا۔ اندومتی نے کیوں شیل بالا کا ساتھ چھوڑا۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت سب سمجھ گئے ہوں گے۔ اس وجہ سے ہم بھی اس باب میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

چھتیسواں باب ۳۶

تشبیہ بلین!

آدھی رات کا وقت تھا۔ چاند تاریکیوں کے پردہ کو چاک کرتا ہوا اپنی منور کرنوں سے صفحۂ عالم کو جگمگا رہا تھا۔ اندومتی اُس وقت کھڑکی سے ننھے ننھے کیڑے کو ایک اچھی جگہ رکھ دیا تھا۔ اور خود مشرقی جانب منھ کرکے آنچل کو گلے میں ڈال کر بیٹھی ہوئی نریندر ناتھ کے پاک چرنوں میں دھیان لگائے گا رہی تھی۔

گانے کے بعد زمین پر سر بسجود ہوکر نریندر ناتھ کو پرنام کیا۔ اُس کے بعد وہیں زمین پر لیٹ گئی۔ ایک اینٹ کا تکیہ لگا لیا۔ کیونکہ وہاں کوئی اور چیز نہیں تھی۔ ہاں اگر کوئی چیز وہاں تھی۔ تو وہ بہت سے پھل تھے معلوم ہوتا ہے۔ انھیں پھلوں سے اندومتی کے لئے دن کٹے تھے۔

اندومتی لیٹی ہوئی ضرور تھی۔ مگر نیند کے عوض اُس کے دل میں وہی خیالات آنے لگے۔ جن کی ادھیڑ بن میں وہ ایک عرصہ سے تھی۔ سوچا! بھگوان اب زیادہ عرصہ تک یہ جلن نہیں جائے گی۔ نریندر! پیارے نریندر!! اس جنم کی کنگالنی کو کیا اب اپنے شری چرنوں

میں جگہ نہ دو گے؟ تمہارے سوا اس دُنیا میں میرا اور کوئی نہیں۔ تمہیں میرے [illegible]
اور تم ہی میرا لوک پرلوک ہو۔ میں اور کچھ نہیں جانتی۔ بڑی آس تھی۔ کہ تمہاری بھکتی اور پوجا
کر کے [illegible] سوقت دیکھتی ہوں کہ میری کوئی لالسا پوری [illegible] سکیگی [illegible]
بیچ رات اور رات کے بعد دن آتا ہے تو اس ابھاگنی نے کیا قصور کیا ہے۔ میرے نصیب پھوٹ گیا
اسی وجہ سے میرے دل کے سب کچھ اور پاک تیرتھ سروپ چرنوں میں بھی داسی جگہ نہ پا سکیگی
جس شاخ کو پکڑتی ہوں۔ وُہی ٹوٹ جاتی ہے۔ یہاں اور کتنا عرصہ ٹھہر سکونگی؟ اگر جاؤں بھی
تو کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟

اسی طرح سوچتے سوچتے اندومتی کی آنکھوں سے جمنا کی دھار رواں ہوئی۔۔۔
دل رو یا۔۔ سانس کھینچ کھینچ کر جیسے اُوپر آنے لگی۔ اور اندومتی کو معلوم ہُوا۔ اُس کے
دل میں۔ دائیں۔ بائیں۔ آمنے۔ سامنے۔ [illegible] برچھیاں
چبھ رہی تھیں نہایت ساکن تھی۔ نہ معلوم کیوں۔ اگر ہات دکھائی دیتے تھے۔ تو پاؤں نہیں نظر
آتے تھے۔ پاؤں دکھائی دیئے۔ تو جسم کا باقی حصّہ روپوش۔ نظر ٹھہرتی ہی نہ تھی۔ اسی
حالت میں اندومتی بہت دیر تک پڑی رہی۔
مگر جسقدر یکسوئی سے نربیندر ناتھ کا تصوّر کرتی رہی۔ اُسی قدر اُس کے دل پر ایک
پُرسرور نشہ کی حالت طاری ہوتی تھی۔ اُس کے دل میں نربیندر ناتھ کی جلالی و جمالی صورت
نے اپنا نور چمکایا۔ اُس مورتی کا درشن پاکر بھی اندومتی نہایت ہی پُرسکون۔۔۔ اچھل
رہی۔ اسے نہ خوشی تھی۔ اور نہ ہی ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ جیسے وہ نربیندر ناتھ کے روپ
میں لے ہو گئی۔ فرط بیخودی سے صرف اسقدر بولی۔ ہائے! نربیندر!
جب اندومتی عقیدت سے سرشار ہو کر نربیندر ناتھ کے تصوّر میں محو تھی۔ اسوقت ایک شخص
آہستہ آہستہ قدم جماتا ہُوا۔ اُس کٹی میں داخل ہُوا۔ اور پاگلوں کی طرح کھڑکی میں مُنہ
ڈال کر اُس کی تمام حرکات دیکھنے لگا۔ اُسوقت چاند کی صاف شفاف منور کرنیں درختوں
کے پتوں کو چھیدتی ہوئیں آہستہ آہستہ اُس کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔ اور تمام کمرہ
اُس کی ہلکی ہلکی شعاعوں سے جگمگا رہا تھا۔ اور ہر چیز آسانی نظر آ رہی تھی۔

خیر! اندومتی نے ہائے نرنیدر! ہائے نرنیدر! کی رٹ لگا کر اپنے دکھ کا اظہار کر رہی تھی۔ اور اُس شخص کا کلیجہ اندومتی کی یہ جگر سوز آواز سُنکر جیسے شق ہُوا جاتا تھا۔ آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ یہ جگر خراش آواز سُنکر اُس نے اچھی طرح سمجھ لیا۔ کہ اندومتی کا سینہ چاک ہو گیا ہے۔ اور اُس کا دل چور چور ہو کر قفس عنصری کو توڑتا ہُوا نرنیدر ناتھ کا غم رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم جماتا ہُوا چوروں کی طرح کمرے کے اندر داخل ہُوا۔ دیکھا نازنین کا پھولا پھولا جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ زار و نزار۔ ملاحت جاتی رہی۔ سوکھے ہوئے کمل کی طرح اُس کی حالت ہے۔

عین اُسی وقت اندومتی نے خود فراموشانہ انداز سے کہا: بھگوان! وہی تارے۔ ہاں! وہی چاند۔ وہی آسمان۔ وہی سب کچھ۔ وہی سب — مگر — " وہ شخص اندومتی سے ذرا فاصلہ پر تھا۔ یہ سُنکر چار قدم اور بڑھائے۔ اندومتی نے پھر کہا: "اُس اندو اور اِس اندو میں کس قدر فرق ہے؟"

اندومتی کو اُس کی آہٹ نہیں ملی۔ اُس شخص نے دو قدم اور بڑھائے۔ نہایت ہی آہستہ سے باریک آواز سے کہا: "سوگ ہے یا —"

اندومتی کے کانوں تک یہ بات نہیں پہنچی بولی۔ سوگ میں مرنے سے کیا تعلق نہیں۔

پہلے کی طرح اُس شخص نے اور دو قدم بڑھائے۔ اور نہایت ہی نرم آواز سے بولا۔ "ہے"

یہ کہہ کر وہ شخص ایک قدم اور آگے بڑھا۔ اسوقت وہ اندومتی کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا یکایک اندومتی کا دایاں ہات اُس شخص کے پاؤں پر پڑا بہت ٹھنڈے اور تسکین بخش " یہ تو میرے نرنیدر کے پاؤں کی طرح ہیں " یہ کہکر وہ چونک اُٹھی۔ دیکھا۔ سامنے نرنیدر ناتھ کھڑے ہیں۔

اُس وقت اندومتی کا دل کانپنے لگا۔ اور تمام جسم کانپ اُٹھا۔ منہ سے ایک بات بھی نہ نکلی۔ اسوقت کیا کرنا چاہیئے۔ اور کیا کہنا چاہیئے۔ یہ بھی نہ سمجھ سکی۔ صرف نرنیدر ناتھ کے دونوں پاؤں اپنے سینہ سے لگا لئے۔ بعد ازاں دردمند لہجہ میں بولی " نرنیدر! اتنے دنوں بعد —" اور کچھ نہ کہہ سکی۔ یہ دو چار لفظ دل پاک کر کے باہر آئے۔ وہ رو پڑی

نریندر ناتھ بھی اندومتی کی بات کا کوئی جواب دے سکے صرف ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا کر سینہ سے لگا لیا۔ اندومتی بھی زور سے لپٹ گئی۔ اس وقت اُنکے دلوں میں کیسے کیسے خیالات جوش زن ہو رہے تھے یہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ دل بھر آ رہے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دونوں میں سے کسی کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی تھی صرف آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ ان آنسوؤں نے ہی جیسے اُن کے دل کی تمام تکالیف و غم کا اظہار خموشی سے کر دیا تھا۔ اندومتی نریندر ناتھ کے سینہ پر اپنا سر رکھے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی ❊

انجام

آخری باتیں!

نریندر ناتھ اور اندومتی دونوں گھر آ گئے۔ یہ خبر سنکر تمام گاؤں میں خوشیوں کی دھوم مچ گئی۔ مگر نریندر ناتھ کو کچھ بہت خوشی نہیں ہوئی کیونکہ ان کے ماتا اور نریندر ناتھ کی ماں دونوں نریندر ناتھ و اندومتی کے غم میں اس دنیا سے دون [illegible] چل بسے تھے۔ اُن کے غم میں نریندر ناتھ بھی کچھ دنوں تک بستر دست رہے۔ اسکے بعد زمانہ کی رفتار کے بموجب وہ دنیا کے کاموں میں پھنسے [illegible] سنا تھا۔ کہ اُن کے سلوک اور سلوچ کی قابلیت سے رعایا پرجا اُن سے بہت خوش تھی ❊

نریندر ناتھ کے جیون داتا مہاپرش بھی نریندر ناتھ کے محل میں آ کر اُن سے ملے۔ نریندر ناتھ اور اندومتی کے بیحد اصرار پر انہوں نے دونوں کو [illegible] مالک سے قربت حاصل کرنیکا نہایت ہی سہل یوگ بتایا ❊

مادھوری کا شوہر سنیاس آشرم میں بدستور رہا۔ ہم نے بہت کچھ پتہ لگا کر یہ باتیں معلوم کیں۔ سنیاس لینے کے بعد جنم بھومی کا درشن ایک مرتبہ ضروری ہے اسی لئے جوگی کے بھیس میں وہ دیس آیا تھا ❊

گورمتی کو حالت نزع میں دیکھا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ نہیں کہہ سکتے معلوم ہوتا ہے

اُسکا جسم کتوں۔ گیدڑوں کی غذا ثابت ہُوا۔ دوبے جی گورمتی کی حالت دیکھ کر خوف سے کہیں بھاگ گئے ؛

نریندر ناتھ کے گھر آنے کے ایک برس بعد رام بھدر نے مُلکوں مُلکوں کا سفر کیا۔ اِسکے بعد دیس آ کر وہ بہت تھوڑے دنوں تک زندہ رہے ؛

کچھ دن بعد تاراکانت وشیل بالا گھر آئے۔ نریندر ناتھ کے آنے کا حال سُنکر بہت خوش ہوئے۔ دونوں ملے۔ تاراکانت نریندر ناتھ کی تلاش میں گئے تھے۔ نریندر ناتھ کو گھر آتے ہی یہ پتہ لگ گیا تھا ؛

تاراکانت کے ساتھ شیل بالا کی شادی ہو۔ نریندر ناتھ کی شروع سے یہ خواہش تھی۔ مگر اندومتی کے چلے جانے سے یہ اُسوقت نہ ہو سکا۔ شیل بالا شادی کے بعد کبھی کبھی نریندر ناتھ کے پاس آکر۔ گھر چھوڑنے کے بعد اندو نے جو کیا تھا۔ وہ سب باتیں کہہ کہہ کر ہنستی ہنساتی تھی ؛

اُسوقت اندومتی کے پاس رہتے ہوئے شیل بالا کا چھٹکارا نہیں ہوتا تھا۔ اندو شیل بالا کے اُوپر خوب جھنجھلاتی تھی۔ نریندر ناتھ اُنھی سب باتوں کا ذکر کرکے اندومتی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی جدائی کے ایام کے داستانیں سناتے تھے۔ جس وقت یہ تمام باتیں شروع ہوتیں۔ اُس وقت دونوں بتیا بانا ندا سے رونے لگتے تھے۔ اِسی طرح اُن کے سُکھ کے دن گذرنے لگے ؛

ہم بھی اپنے ناول کا خاتمہ کرتے ہیں ؛

۱۴ / مارچ ۱۹۱۹ء

نوٹ :۔ اس سلسلہ کا دسواں ناول منتر شکتی بہت جلد شائع ہوگا جو نہایت ہی دلچسپ اور عجیب چیز ہے۔ بنگالی زبان میں اسکے کئی ایڈیشن ہوئے ہیں۔ قیمت ۱۲؍ مگر ناول میگزین کے مستقل خریداروں کو بدستور نصف قیمت پر ملیگا۔ گیارھواں ناول الشعرا ڈاکٹر سر رابندر ناتھ ٹیگور کے معرکتہ الآرا ناول نوکا ڈوبی کا ترجمہ شائع ہو رہا ہے۔ یہ بھی خوب ہے قیمت ۱۲؍ مستقل خریداروں کو نصف قیمت پر بھیجا جائیگا ؛

حیرت انگیز انکشاف

سُراغ ! سُراغ !! سُراغ !!!

حسن و عشق کے فسانے دلکش ضرور ہوتے ہیں مگر ان سے کہیں زیادہ تر دلفریبی اور دلچسپی کا سامان ان قصوں میں ہوتا ہے۔ جو سراغرسانی اور جاسوسی سے مخصوص ہیں علم و تکنیک شعبہ زمانہ حال کی جدت کا نتیجہ ہے۔ دُنیا میں ایسے صاحب ذہانت اور حقیقت رس اُپج والے سراغرساں پیدا ہوئے ہیں جو اپنی خداداد قابلیت سے ان عیار مجرموں کے کان کاٹتے ہیں۔ اور ان کی اگلی پچھلی اور درپردہ میسائی کارروائیوں کا خوش اسلوبی سے پتہ لگا کر اسوقت یقین کیساتھ انہیں گرفتار کر لیتے ہیں۔ ان کے حالات بلحاظ واقعات بیشک قدیم قصوں سے کہیں زیادہ دل آویز۔ زیادہ دلپسند اور زیادہ سبق آموز ہوتے ہیں۔ اور مطالعہ کرنیوالوں کے عقل جذبات کو نشو و نما دیتے ہیں۔

احقر اختر نے اردو لٹریچر میں اس صنف کے اضافہ کا ارادہ کیا ہے۔ کہ جاسوسی کے متعلق نئے نئے حیرت انگیز سنسنی خیز ناولوں کو اردو کا جامہ پہنایا جاوے۔ یہ سلسلہ **ناول میگزین** سے بالکل علیحدہ **سُراغ** کے نام سے موسوم ہے۔ سال بھر میں اس سلسلہ کے کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ناول نکلتے ہیں۔ سال بھر کے تمام ناول مستقل اور مسلسل خریداروں کو نصف قیمت پر دئے جاتے ہیں اور عام اصحاب سے پوری قیمت لی جائیگی۔ مستقل خریداری کے خواہشمند اصحاب سے بطور زر ضمانت صرف ایکبار ۸ لئے جاتے ہیں جس کی ادائگی پر وہ مستقل خریدار متصور ہو کر اس سلسلہ کا ہر نمبر نصف قیمت پر پانے کے مستحق ہونگے۔

اس سلسلہ کے تین ناول شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا ناول **جاسوس** نہایت ہی قابل اور حیرت انگیز واقعات سے مملو ہے قیمت ۸ مستقل خریداروں سے ۴ دوسرا ناول **طلسمی شیطان** نہایت ہی دلچسپ ہے سر بستہ راز اور جادو کے کرشموں نے اس کی دلچسپی میں چار چار لگا دئے ہیں تیسرا ناول **رکت ساگر** عہد بنگال کے زبردست ناول نویس مسٹر پانچکوڑی دے کے نہایت ہی سنسنی خیز ناول کا اردو ترجمہ۔ بنگالی میں اس کے کتنے ہی ایڈیشن ہو چکے ہیں قیمت ۱۲ مستقل خریداروں سے ۶

ملنے کا پتہ

مسٹر لی ہانگ چانگ سپرنٹنڈنٹ ناول میگزین ۱۰ جموں سٹریٹ لاہور۔

ہنسی مذاق کا سلطنت خانہ - ادب اخلاق کا کتب خانہ چہل دل لگی کا قیمتی سامان خوش طبعی کا بیش بہا ارمغاں - ظرافت کا میگزین [illegible] پڑھتے چلیے اور ہونٹوں سے قہقہوں کے چٹاخے چھوڑتے چلیے - آج تک اردو زبان میں کسی نے بھی اس قسم کی کتابیں نہیں لکھی تھیں ہنسی ہنسی میں اخلاق اور ادب کی تعلیم دینا آسان کام نہیں - بلکہ سخت مشکل ہے یہ بیڑہ ہم ہی نے اٹھایا ہے کتابیں کیا ہیں [illegible] ہیں - اگر کوئی شخص ایک بھی کتاب اس قسم کی اردو - ہندی - مرہٹی اور تلنگی وغیرہ ہندوستان کی مروجہ زبانوں میں دکھادے - تو زیادہ نہیں ہم تفریح کی پانچ کاپیاں اسکی نذر کر دیں گے ٭

تفریح کے سلسلے کی دو کتابیں چھپ گئی ہیں - ایک کا نام ہے "ہماری پڑھی لکھی بیویاں" دوسری کا ہے "ہمارے پڑھے لکھے مرد" دونوں نظم و نثر سے آراستہ تشبیہات و استعارات سے پیراستہ - جو اصحاب تفریح کی مستقل خریداری منظور فرمائیں گے - ان کو نصف قیمت پر وی پی کی جائیں گی - اوروں سے پوری قیمت [illegible] ان کے مصنف منشی گوردھن شنکر لال صاحب [illegible] ہیں - جن کے مذاق پسند طبیعت کا نمونہ "واہ رے میں" نامی کتاب میں موجود ہے - اور جن کی خداداد قابلیت کا قائل ایک زمانہ ہے - درخواست جلد بھیجیے - ورنہ لگا ہو - کیونکہ یہ جھٹ پٹ بک جانے والی کتابیں ہیں - ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں - تیسری کتاب ہمارے ہونہار طالب علم زیر ترتیب ہے - چوتھی کتاب پرانا اور نیا فیشن ہوگی - اور پانچویں کتاب تہذیب کا جھگڑا - وعلی ہذا ٭

المشتہر ٹھاکر داس کتب فروش پتہ کارخانہ تفریح [illegible] لاہور